لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین

लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदका मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन

An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

ماہنامہ

قندیل ادب انٹرنیشنل

لندن

شمارہ:115 جولائی 2022ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL

103 Peterborough Road Carshalton SM5 1EE London

(M) 0044-7886-304637 (R) 02086482560

www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

رونمائی کتاب سپوت ایشیاء کے موقع پر حاضرین حضرات

(رپورٹ صفحہ 4 پر ملاحظہ فرمائیں)

عالمی بزمِ ترویجِ اردو پاکستان کے زیرِ اہتمام پہلا عالمی خواتین مشاعرہ

(رپورٹ صفحہ 17 پر ملاحظہ فرمائیں)

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- Member National Landlord Association
- Member Deposit Portection Schemes
- Member The Property Ombudsman Scheme
- Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

نائب مدیر: مبشر شہزاد، گلاسگو

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔ ''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ میگزین کے مندرجات پر آپ کی رائے یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔ شکریہ

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated

Chief Editor

فہرست مضامین

آپ کے خطوط		4
رونمائی کتاب سپوت ایشیا		4
غزلیات: آئرین فرحت، محمد خلیل الرحمٰن خلیل، محمد ارسلان عامر، اعظم سہید ہارون، احمد مشتاق، طارق انور باجوہ، آفتاب شاہ، زبیر ساہی، عبدالحمید عدم، افتخار راغب، منیر باجوہ، ڈاکٹر شہناز مزمل، عبدالقدیر کوکب، ڈاکٹر ظفر جاذب، کرنل باصر نسیم، حبیب جمال، امین اوڈیرائی، طفیل عامر، شہزاد نیئر، حافظ ملک جمشید، فریدہ انجم، امن علی امن، افضل ہزاروی، ڈاکٹر فرزانہ فرحت، عبدالشکور کلیولینڈ، افتخار راغب، بی اے ندیم، مرشد، منظر بھوپالی، ساجد محمود رانا، محمد علی سوز،		7 تا 17
چیف سید معین شاہ مغربی افریقہ	ادارہ	18
واتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کا ماہانہ مشاعرہ	الف میم	19
آفتاب شاہ	ادارہ	20
صابر حسین نوائے جن لندن	ادارہ	23
آہ گوپی چند نارنگ	صفدر امام قادری	24
سعودی عرب کے کراؤن پرنس	شہزادہ محمد بن سلمان	27
کیا میری لاش کو پاکستان میں رہنے کی اجازت ہوگی	چوہدری کولمبس خان	28
ہم تمہیں پاکستان میں جینے کا حق بھی نہیں دیں گے	چوہدری کولمبس خان	30
معلومات اردو ادب	عاصی صحرائی	31
غزل	اطہر حفیظ فراز	33
ٹانگ کی اہمیت انسانی جسم میں	رانا عبدالرزاق خان	34
نوپور شرما اور نوین جندل کا توہین آمیز بیان	ادارہ	35
دوسروں کی ذلت پر ہنسنا	مشتاق احمد یوسفی	36
ادبی لطائف	ادارہ	39
جستہ جستہ	عطاء القادر طاہر	40

اعلان

ماہانہ قندیل ادب انٹرنیشنل میگزین کا سالانہ چندہ 25 برطانوی پونڈ ہے۔ اگر کسی کو گھر پر بذریعہ ڈاک ارسال کرنا پڑے تو 35 پونڈ سالانہ ہے۔

نیچے دیئے گئے اکاؤنٹ میں سالانہ چندہ کی ادائیگی فرمائیں۔ جزاکم اللہ

رانا عبدالرزاق خان لندن

HSBC London UK,

A/C 04726979 Sort Code 400500

(M) 0044-788-304637 (R) 02086482560

آپ کے خطوط

مکرم ومحترم رانا عبدالرزاق خان صاحب

السلام علیکم

امید ہے کہ مع متعلقین بہ خیر وعافیت ہوں گے۔

’’ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن‘‘ کا (اپریل ۲۰۲۲ء) شمارہ جس میں راقم کا مضمون بہ عنوان’’فانؔی بدایونی کا تصور جبر وقدر‘ شائع ہوا تھا، موصول ہوا۔آپ کی اس ذرّہ نوازی کا قلبِ صمیم سے شکر گزار ہوں۔’’نشورؔ واحدی کی سحر آفریں لَے‘‘ مضمون ارسال کر رہا ہوں۔ یہ مضمون غیر مطبوعہ ہے۔امید ہے کہ مذکورہ رسالہ میں اشاعت کر کے حوصلہ افزائی کریں گے۔قندیل ادب انٹرنیشنل لندن کا شمارہ پڑھنے کے بعد ایک بات ذہن میں آئی کہ اگر اس کے تمام شمارے PDF کی شکل میں مجھے مل جائیں تو اس کا اشاریہ اور اکیسویں صدی میں اردو رسائل کی تاریخ میں اس کی اہمیت وافادیت اور خدمات پر ایک مضمون لکھوں اور ہندوستان کے کسی رسالے میں شائع کراؤں تاکہ رسالہ مذکور کی وقعت اور اس کا معیار وسیع پیمانے پر منظرِ عام پر آئے۔

نیاز مند، جاوید اختر علی آباد مقیم حال۔ دبئ

قندیل ادب انٹرنیشنل لندن کی جانب سے قارئین کو عیدالاضحیٰ کی مبارک صد مبارک

رونمائی کتاب

سپوتِ ایشیا

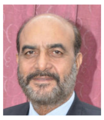

تبصرہ : مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالدؔ صاحب لاہور

محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب ایک ایسی علم دوست اور ادب نواز شخصیت کا نام ہے جس کے ساتھ میرے لڑکپن اور جوانی کا بیشتر حصہّ جڑا ہوا ہے۔ میں نے سکول اور کالج کی تعلیم کے دوران انہیں بہت قریب سے دیکھا اور انہیں ایک باصلاحیت، مستعد اور حسنِ خلق کا پیکر مشاہدہ کیا۔ایک جوانِ رعنا کی صورت ان کی شکل خوبصورت اور طرز ادا دلفریب تھی۔جن لوگوں نے انہیں اس زمانے میں دیکھ رکھا ہے وہ میری اس بات پر صاد کریں گے۔تب یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اصلاًاور نسلاً راجپوت ہیں۔لیکن دھیرے جب انہوں نے عملی میدان میں قدم رکھنا شروع کیا تو راجپوت قوم کے اثرات بھی اپنا رنگ دکھانے لگے۔زندگی کے شدائد کا مقابلہ بڑی ہمت اور جواں مردی سے کیا۔ پاکستان اور بحرین میں رہ کر بہت سے کام کئے۔نوے کی دہائی میں ان کی قلمی کاوشوں کا آغاز ہوا اور مختلف اخبارات و رسائل میں شخصی تعارفوں پر مشتمل مضامین لکھنے لگے۔ 2005 میں وہ لندن میں وارد ہوئے اور پھر تو گویا دبستان کھل گیا۔لندن میں آمد کے کچھ ہی عرصہ بعد وہ ادبی سطح پر متحرک ہوئے اور شعری ذوق کی تسکین کے لئے بزمِ شعرو سخن کی تشکیل عمل میں لائے۔اس بزم کے تحت انہوں نے مشاعروں کی بنیاد رکھی اور اس عظیم الشان روایت کو زندہ کیا جو برِصغیر پاک وہند کی علمی اور ادبی فضا کا اہم حصہ تھی۔اس سلسلے کا پہلا مشاعرہ 2009 میں منعقد ہوا جس میں ممتاز شعراء نے شرکت کی۔ اس ابتدائی مشاعرے کو 13 برس بیت گئے ہیں۔ان تیرہ برسوں میں انہوں نے سوشل میڈیا کا حربہ استعمال کر کے زوم کے ذریعے عالمی مشاعروں کا آغاز کیا جس میں گلوبل وِلج سے بڑھ کر گلوبل سیٹ کی اصطلاح کو سچ ثابت کیا۔ان مشاعروں میں دنیا بھر سے نام ور سخنور شرکت کرتے اور شاعری کے نت نئے ذائقوں سے آشنائی بخشتے ہیں۔خاکسار کو بھی کئی مرتبہ ان مشاعروں میں شرکت کا موقع مل چکا ہے اور رانا عبدالرزاق خاں صاحب کی شاعری سننے کے ساتھ ساتھ ان کی نظامت اور حسنِ انتظام کی داد دینے کا سامان بہم ہوا ہے۔اردو زبان وادب کی ایسی

شاندار خدمت بہت کم لوگوں کے حصے میں آئی ہے جو دیارِ غیر میں رہ کر بھی محدود وسائل کے باوجود یہ کام کئے جاتے ہیں۔قدرت نے ان کی طبیعت میں یہ وصف ودیعت کر رکھا ہے کہ وہ جس کام کا ارادہ کریں وہ کر کے رہتے ہیں۔اسی پر بات ختم نہیں ہوجاتی بلکہ مسلسل محنت اور عزم وعمل سے اس کام میں مداومت اختیار کرتے ہیں۔مثال کے طور پر انہوں نے 2013 میں ایک اہم علمی اور ادبی کام کا بیڑا اٹھایا اور ’’قندیلِ ادب انٹرنیشنل‘‘ کے نام سے آن لائن میگزین نکالنا شروع کیا۔ان کے ساتھ اور بھی کئی لوگوں نے بیرونِ ملک سے اسی نوع کے کام شروع کئے لیکن آج ان کی کوئی خبر نہیں جبکہ رانا صاحب اس میدان میں ڈٹے ہوئے ہیں اور ہر ماہ باقاعدگی سے ’’قندیلِ ادب‘‘ کا خوبصورت شمارہ لئے موجود ہوتے ہیں۔جو دیدہ زیب لے آؤٹ کیساتھ نو بہ نو موضوعات پر شاندار مضامین نظم ونثر اپنے دامن میں لئے ہوئے قارئین کے ذوقِ نظر کی تسکین کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔یہ میگزین دنیا بھر کے لاکھوں قارئین تک ای میل اور ویب سائٹ کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔اور اردو زبان کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔اس کے علاوہ ان کی مضمون نویسی کا وہ سلسلہ بھی ہنوز قائم ہے جو پاکستانی اخبارات سے شروع ہوا تھا۔آج وسعت اختیار کر کے امریکہ، آسٹریلیا اور بھارت کے اخبارات تک محیط ہو چکا ہے۔مزید یہ کہ قندیل ادب کے عالمی مشاعروں نے دنیا بھر میں دُھوم مچا رکھی ہے۔ان سب پر اضافہ ان کا وہ واٹس ایپ چینل ہے جس پر رونق افروز ہو کر وہ عالمی خصوصا پاکستانی سیاست اور یہاں کے حالات کو زیرِ بحث لاتے اور اپنے سننے والوں کو مفید معلومات سے نوازتے ہیں۔

حیرت کی بات رانا عبدالرزاق خاں صاحب یہ سارے کام تن تنہا انجام دیتے ہیں اور لندن کی طلسماتی تفریحات میں دل لگانے کی بجائے قلم سے راز و نیاز کرتے ہیں۔رانا صاحب کی تصنیف وتالیف کا سلسلہ الگ ہے جس میں وہ اپنی کئی قیمتی کتب شائع کر چکے ہیں۔ان کتابوں پر اہلِ علم اور ادب پرور شخصیات نے نہایت شاندار تبصرے کئے ہیں اور رانا صاحب کی مرتبہ بصیرت افروز تصنیفات پر کھلے دل سے داد دی ہے۔ان کتابوں کا تحسین آمیز پہلو یہ ہے کہ علم وادب کے بنیادی مراکز سے دُور بیٹھ کر لکھی گئی ہیں جہاں ضروری مواد کی فراہمی اور ماخذات تک رسائی ایک اہم مسئلہ ہے لیکن رانا صاحب کی جُستجو اور تلاش نے نہ صرف اس مسئلے کو حل کر دیا اور مجھ ایسے کئی لکھنے والوں کو آئینہ بھی دکھا دیا جو بڑے بڑے منصوبے باندھ کر اس گٹھڑی کو بغل میں دابے پھرتے ہیں اور قیل وقال تک محدود رہتے ہیں۔

اس وقت میں رانا عبدالرزاق خان کی نادر و نایاب کتاب ’’سپوتِ ایشیا‘‘ پر نظریں جمائے بیٹھا ہوں جو دیکھنے میں اپنی 600 صفحات کی ضخامت سے متوجہ کرتی ہے اور اس کے بعد دنیائے اسلام اور عالمی سیاست کے ایک روشن اور تابندہ کردار چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی انتہائی فعال اور متحرک زندگی کے دردویست نگاہوں میں لاتی ہے۔چوہدری صاحب کا شمار ان شخصیات میں ہوتا ہے جو صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں لیکن جب وہ اس دنیا میں آتی ہیں تو ساری دنیا کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہیں اور اپنی جدوجہد، محنت اور سعیٔ پیہم سے وہ مقام حاصل کر لیتی ہیں کہ دلوں پر ان کا نام نقش ہو جاتا ہے۔ان کی راہوں پر پھول ہی نہیں برستے، لوگ دیدہ دل فرشِ راہ کرتے ہیں اور ایک خلقت آنکھیں بچھاتی ہے۔ان کا حسنِ عمل ان کی شخصیت پر نگران ٹھرتا ہے اور ان کا ہر اٹھتا ہوا قدم زمین نہیں، آسمان پر پڑتا ہے۔چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان اس نادر و نایاب ہستی کا نام ہے، جس جیسا پوری صدی میں دوسرا پیدا نہیں ہوا۔بقولِ غالبؔ

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں

جسے چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان ''سپوت ایشیا'' ہی نہیں بلکہ سپوتِ عالم کہلانے کے حق دار ہیں کہ انہوں نے محض ایشیائی اقوام کے حق میں ہی نہیں اواز بلند کی، بلکہ دنیا بھر میں جہاں جہاں ظلم، نا انصافی اور انسانوں پر جبر و تعدّی کے آثار پیدا ہوئے وہاں سر محمد ظفر اللہ خان مجبور و مقہور لوگوں کی آواز بن کر سلامتی کونسل کے ایوانوں میں آوازِ حق بلند کرتے نظر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کا کوئی صاحبِ بصیرت سیاست دان، مدبر، دانش ور اور انصاف پسند شخص ایسا نہیں ہے جس نے چوہدری صاحب مرحوم کے حق میں کلمہ تحسین ادا نہ کیا ہو اور آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نہ ہوا ہو۔ اہلِ عالم کے یہ کلماتِ تحسین اور اہلِ دانش و بینش کی آراء دنیا بھر کے اخبارات و رسائل میں بکھری پڑی تھی۔ جنہیں رانا عبدالرزاق خان صاحب نے سلیقے سے ترتیب دے کر ایک خوبصورت کتاب کی صورت پیدا کی۔ اس پر رانا صاحب کی قلمی کاوش کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ان کی محنت اور کدو کاوش کتاب کے ہر صفحے سے جھلکتی ہے۔ چوہدری صاحب کی ذات والا صفات اور شخصیت کے محاسن پر اظہارِ خیال کرنے والوں میں ہر طبقے اور شعبہ ہائے زندگی کے لوگ شامل ہیں۔ ان لوگوں نے محض تکلفاً اپنی رائے نہیں دی بلکہ ان تمام آراء کا ایک ایک لفظ دِل کی گہرائیوں سے نکلا ہے۔ اور حق وصداقت پر مبنی ہے بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ جتنی بڑی شخصیت سامنے ہے اس کے مقابلے میں الفاظ کا دامن تنگ نظر آتا ہے۔ آپ کے فضائل اور خصائل دیکھ کر خامہ انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ دنیاوی اعتبار سے اعلیٰ اور بلند ترین منصب پر فائز ہو کر آپ عاجزی اور انکساری کا مرقع نظر آتے ہیں اور دنیاوی حیلوں اور ہتھکنڈوں سے بےخوف ہو کر اپنے خالق و مالک کے ساتھ ایک ابدی سلک میں منسلک دکھائی دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آوازِ خلق کو نقارہ خدا سمجھو تو اس حوالے سے یہ کتاب دنیا بھر سے چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان کے حق میں اُٹھنے والی آوازوں کا مجموعہ ہے۔ یہ وہ گواہی ہے جو بلا تمیز مذہب و نسل اہلِ عالم نے آپ کے حق میں ثبت کی۔ یہ وہ نقارہ خدا ہے جو ڈنکے کی چوٹ پر آج بھی بج رہا ہے اور رہتی دنیا تک بجتا رہے گا۔ رانا عبدالرزاق خان کا یہ ذوق، تصنیف و تالیف سپوتِ ایشیا کے علاوہ ان کی دیگر کتابوں میں بھی موجود ہے۔ اللہ ان کے ذوق کو جلا بخشے اور مستقبل میں انہیں ایسے قیمتی گوہر اُچھالنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ میں ان کی صحت و سلامتی کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ اس کارِ ہنر منداں کو سلامت رکھے آمین۔

عبدالغفور ڈوگر صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

آج میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے رانا عبدالرزاق خان صاحب کی تصنیف شدہ کتاب سپوتِ ایشیا پر تبصرہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ موصوف ایک منجھے ہوئے قلمکار، مبصر، کالم نگار، شاعر و ادیب ہیں۔ عرصہ بیس سال سے دیارِ مغرب کی ادبی دنیا کی خدمت میں مصروف ہیں۔ مشاعروں کا انعقاد، ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل کا اجرا، قندیل حق سہ ماہی کا نکالنا اور ۶ سے زائد ضخیم کتب کی تصنیف بھی آپ ہی کا کارنامہ ہیں۔ اس سے قبل آپ کی مقبولِ عام کتاب دانشکدہ عظیم بھی آپ ہی کا شاہکار ہے۔ سپوتِ ایشیا دراصل چوہدری سر ظفر اللہ خاں کے متعلق لکھی گئی یا بولی گئی آراء کا مجموعہ ہے۔ جو محترم رانا عبدالرزاق خان صاحب نے بڑی محنت شاقہ کے ساتھ مختلف اخبارات و رسائل سے اکٹھے کئے ہیں۔ جو آنے والی نسلوں کے لئے ایک نعمت عظمیٰ سے کم نہیں۔ ایسی منفرد کتاب چوہدری سر ظفر اللہ خاں کی وفات کے بعد میری نظر سے نہیں گزری۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کے پیش لفظ مکرم و محترم عطاء المجیب راشد امام مسجد فضل لندن نے اور ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز صاحب نے تحریر فرمائے ہیں۔ تحدیث نعمت جو چوہدری سر ظفر اللہ خاں کی اپنی کتاب ہے اس سے کوئی نقل نہیں کی گئی۔ جو عرصہ سو سال میں جماعتی یا غیر جماعت احباب نے چوہدری سر ظفر اللہ خاں کا ذکر کیا ہے۔ انکو بھرپور درج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ باقی چیدہ چیدہ اور اہم تاریخی واقعات کو بھی بہت ہی سلیقے سے جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کتاب ۶۱۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ چوہدری سر ظفر اللہ خاں کی کافی بیش قیمت تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ مسئلہ کشمیر اور مسئلہ فلسطین کے لئے چوہدری سر ظفر اللہ خاں نے جو شب و روز کاوشیں کیں۔ اور غلام افریقی و دیگر ممالک کی آزادی کے لئے آپ کی تمام کوششوں کا بھی احوال پیش کیا گیا ہے۔ چاہیئے تھا کہ اس اولوالعزم شخصیت کے لئے ہزاروں کتب لکھی جاتیں۔ کیونکہ وہ شخصیت اس کی مستحق تھی۔ مگر اس دنیا نے کب کسی کو یاد رکھا ہے۔ میں اس عظیم کتاب کی تصنیف پر محترم رانا عبدالرزاق خان صاحب کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں اور مبارک باد دیتا ہوں نیز دعا کو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی

غزلیات

حمد
آئرین فرحت

در پیش مشکلیں ہیں تو ہی سنبھال یارب
پستی میں جا رہا ہوں کر دے بحال یارب
میری شہہ رگ سے واقف سب کچھ تو جانتا ہے
تجھ سے زیادہ جانے مرا کون حال یارب
فکروں میں گھر گیا ہوں حالات بھی کڑے ہیں
میرے دل کے غم کا موسم مرے سر سے ٹال یارب
میرا ہاتھ تھام کر تو نئی زندگی عطا کر
میری چٹان ہے تو،تو ہی میری ڈھال یارب

نعت شریف
محمد خلیل الرّحمٰن خلیلؔ اسلام آباد

جہاں میں آپ کی ملے رہبری شہہِ دوسرا
مَیں درود آپ کو بھیج کر کروں پیروی شہہِ دوسرا
تری رِفعتیں ہیں عُروج پر، ترا حُسن، حسن ہے لَم یَزَل
تری عرش پر نہ ہی فرش پر ہے برابری شہہِ دوسرا
تری رحمتوں کو سلام ہو، تری مدحتوں کو دوام ہو
مجھے بس عطا تری نعت کی ہو سُخن وری شہہِ دوسرا
یہ عجیب حالتِ زار ہے مرے چار سُو شبِ تار ہے
کبھی یوں بھی ہو شبِ ہجر کو ملے روشنی شہہِ دوسرا
مجھے حاضری کو ملا کرے ترا اذن سال بہ سال میں
رہے عمر بھر کی نصیب میں یہ مُسافری شہہِ دوسرا
کبھی خواب میں تری دید ہو مری مدحتوں کی بھی عید ہو
کروں ہر ادائے جمال کی مَیں ثنا گری شہہِ دوسرا
ترے در کی خُو کو ہے جانتا، ہے خلیلؔ تب ہی تو مانگتا
ترے در سے اس کی لگی رہے یہ گداگری شہہِ دوسرا

نعت رسول
اعظم سہیل ہارون، حاصل پور

رہے گا زیست میں ہر دم مرے خیالِ رسول
خدا کرے گا عطا مجھ کو بھی وصالِ رسول
کسی بھی اور کی جانب نہ دیکھ پاتے ہم
"ہماری آنکھ پہ کھلتا اگر جمالِ رسول"
مِلی ہے دینِ نبی کو نئی بلندی پھر
کہ کربلا کو گئی جس گھڑی ہے آلِ رسول
گلے میں طوقِ غلامی ہے اور کچھ بھی نہیں
اسی سبب سے عیاں مجھ پہ ہے کمالِ رسول
دیارِ احمدِ مرسل پہ جا کے نعت پڑھوں
بیان دل سے کروں پھر وہاں کمالِ رسول
درود پڑھ کے اسے جس کسی نے بھی دیکھا
خوشی سے جھوم کے لہرانے لگے ہے بالِ رسول
خدا نے دن کو نکالا نہ ہی سحر ہوا
اذانِ فجر نہ دیں جس گھڑی بلالِ رسول
اسی لیے تو مقدر میں جیت ہے اعظم
کہ میرے دل میں رہے ہر گھڑی خیالِ رسول

نعت
محمد ارسلان عامر

مفلسی دور ہو تقدیر سنواری جائے
انکی دہلیز پہ جب کوئی بھکاری جائے
ان کے دیدار کا کیا ہوگا سماں کیا کہئے
ہر کوئی جن پہ بنا دید کے واری جائے
جاری ہو جائے زبانوں پہ درود اور سلام
سبز گنبد پہ نظر جب بھی ہماری جائے
کاش اعزاز ملے مجھ کو کہ میت میری
نعت پڑھتے ہوئی تربت میں اتاری جائے
اذن سرکار دو عالم جو عطا فرمائیں
زندگی ساری مدینے میں گزاری جائے
جاں ہے گر آپ کے نعلین کا صدقہ عامر
کیوں نہ پھر آپ کی ناموس پہ واری جائے

احمد مشتاق

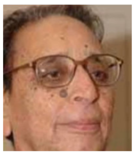

زندگی سے ایک دن موسم خفا ہو جائیں گے
رنگِ گل اور بوئے گل دونوں ہوا ہو جائیں گے
آنکھ سے آنسو نکل جائیں گے اور ٹہنی سے پھول
وقت بدلے گا تو سب قیدی رہا ہو جائیں گے
پھول سے خوشبو بچھڑ جائے گی سورج سے کرن
سال سے دن وقت سے لمحے جدا ہو جائیں گے
کتنے پر امید کتنے خوبصورت ہیں یہ لوگ
کیا یہ سب بازو یہ سب چہرے فنا ہو جائیں گے

طارق انور باجوہ

زہے نصیب، پتہ دستیاب اُس کا تھا
وہ ماہتاب تھا کہ آفتاب اس کا تھا
ہوئے ہیں چُور نشے میں جو میکدے آئے
نگاہیں اس کی تھیں، قدحِ شراب اس کا تھا

دلوں میں اس کی محبّت بھی پھر ہوئی پیدا
خدا نے خود کِیا جب انتخاب اس کا تھا
بتانے سب ہی مذاہب کی خوبیاں آئے
مگر خطاب ہوا کامیاب اس کا تھا
بدلتی رہتی ہیں یوں تو حکومتیں کتنی
بدل گیا ہے جو دل، انقلاب اس کا تھا
اگرچہ اس سے سوال اک کے بعد ایک ہوا
جواب جو بھی ملا لا جواب اس کا تھا
اُٹھائیں لذّتیں ہم نے بھی اس کی محفل کی
کہ ہم پہ لطف وکرَم بے حساب اس کے تھا
دم اور لوگ بھی طارقؔ بھریں محبّت کا
ہر ایک سجدہ ہوا مستجاب اس کا تھا

❁

کیا دن تھے جب ہمارا ہوا اس سے رابطہ
پھر اس سے ہو گیا ہے محبّت کا واسطہ
لطف و کرم وہ اس کا، تعلّق، وہ التفات
ہم ڈھونڈتے تھے جس کو، ملا ہم کو راستہ
ہم ہی تھے جن پہ اتنی ہوئیں مہربانیاں
ٹھہرے تھے ہم ہی لوگ تو انعام یافتہ
ہم ہی سے وعدہ اس نے نبھایا وصال کا
کیوں دور اس سے ہو گئے اب، خدا نخواستہ
انکار کر کے بیٹھے ہیں رب کی صفات سے
کہتے ہیں جو کلام کا ہے بند راستہ
ہے ان کی سادگی یا جہالت پہ ہے قدم
کہتے ہیں خود کو گرچہ وہ تعلیم یافتہ
کہتے ہیں نام ہم کو بدلنا پڑے گا اب
عائد نیا کریں گے کوئی ہم پہ ضابطہ
جب یہ پتہ چلا کہ ہو گا اس کا سامنا
دیکھیں گے کیسے ہوں گے وہ اس ان کے باختہ
طارق انہیں یہ پوچھیں گے ہم نے تھا کیا کہا
اب تو نہیں رہا تمہیں کوئی مغالطہ

❁

جب کہیں بندگی نہیں ہوتی
زندگی زندگی نہیں ہوتی
لوٹ آتے خُدا کی جانب، گر
اتنی افسردگی نہیں ہوتی
کیا کسی کو حساب دینا ہے؟
زندگی دل لگی نہیں ہوتی
آسماں سے پیام آیا ہے
روشنی تیرگی نہیں ہوتی
صاف جب وہ کرے تو اس دل میں
کوئی بھی گندگی نہیں ہوتی
مار ڈالا تری اداؤں نے
ورنہ شرمندگی نہیں ہوتی
حُسنِ یوسف خرید لیتا اگر
اتنی کم مائیگی نہیں ہوتی
کیا حقیقت ہے کیا فریبِ نظر
سادگی سادگی نہیں ہوتی
ابر برسا ہے پھر بھی صحرا میں
کوئی روئیدگی نہیں ہوتی
چھوڑتے حرص وہ تو دنیا میں
اتنی درماندگی نہیں ہوتی
گر نہ آتا وہ میری محفل میں
اتنی تابندگی نہیں ہوتی
میری خواہش، دِکھائے وہ چہرہ
اس سے بے پردگی نہیں ہوتی
گر محبّت نہ کھینچ لاتی یہاں
اُس کی ہمسائیگی نہیں ہوتی

آفتاب شاہ

بازو پکڑا جو مرے دل نے تری دھڑکن کا
تری دھڑکن نے مرے کان میں سرگوشی کی
سانس رکنے لگی جذبات کی تنہائی میں
نبض بڑھنے لگی تب عالمِ مدہوشی کی
آنکھ نے گال کے ہونٹوں پہ جو رکھا غازہ
ہوس بڑھنے لگی تب آنکھوں میں مے نوشی کی
ہاتھ نے ہاتھ پہ جب بوسہ دیا چاہت کا
بات ہونے لگی تب لطف سے تہ پوشی کی
جلوے دکھنے لگے ہر سمت تمناؤں کے
روح بڑھنے لگی تب جانبِ بے ہوشی کی

❁

انوار ترا، سرکار ترا دل روشن وہ سردار مرا
دلدار مرا، وہ یار مرا دل روشن وہ گلزار مرا
زردار مرا، زنگار مرا اس نگری کا اظہار مرا
پرکار مرا، پرخار مرا چت روشن وہ حقدار مرا
ازکار بھی وہ، افکار بھی وہ اس گلشن کی چہکار بھی وہ
اقرار مرا، وہ پیار مرا من روشن وہ گلدار مرا
وہ خواب ترا وہ خیال ترا ان آنکھوں میں احوال ترا
تعبیر بھی وہ تفسیر بھی وہ سب روشن وہ تہدار مرا
سنگار بھی وہ جھنکار بھی وہ مرا دیپک بھی ملہار بھی وہ
شہوار مرا، فنکار مرا جگ روشن وہ بیدار مرا
الفت بھی وہ چاہت بھی وہ میری ہستی کا غمخوار بھی وہ
دربار مرا، ادبار مرا ظن روشن وہ پندار مرا
سالار بھی وہ مختار بھی وہ اس ہستی کا اپکار بھی وہ
سنسار بھی وہ، دیدار بھی وہ تن روشن وہ پندار مرا
ضوبار بھی وہ کردار بھی وہ اس کشتی کا پتوار بھی وہ
زنہار مرا، اسرار مرا مکھ روشن وہ ابرار مرا

❁

خالی پڑے گلاس کو کیونکر بھرے کوئی
عقل وخرد کے طاق پہ کیونکر دھرے کوئی
کہنے کو کہہ بھی لے گا وہ سمجھے گا کس طرح
جھیلے ہوئے عذاب کو کیونکر پڑھے کوئی
دولت ہو جس کے پاس نہ طاقت ہو حسن کی
ایسے فضول یار پہ کیونکر مرے کوئی
تیرے لیے جو اور ہو میرے لیے ہو اور
ایسے کسی نظام سے کیونکر ڈرے کوئی
روشن ضمیر ہیں سبھی جھوٹوں کے عہد میں
سچوں کی جھوٹی آگ میں کیونکر گھرے کوئی
دونوں کی ضد ہے تیسرا آئے نہ درمیاں
ایسے میں اپنے درمیاں کیونکر پڑے کوئی

❁

مکھڑا اس کا کتاب جیسا ہے
گویا کھلتے گلاب جیسا ہے
جس کی پوجا ہے عاشقی میری
اس کو تکنا ثواب جیسا ہے
باتیں اس کی ہیں زندگی میری
لہجہ اس کا تو خواب جیسا ہے
روز کرتا ہے دشمنی مجھ سے
پردہ اس کا عذاب جیسا ہے
اس کے چلنے پہ دھڑکنیں دھڑکیں
اس کا رکنا رکاب جیسا ہے
جسم جس کا ہے شاعری رب کی
بدن اس کا اناب جیسا ہے
ہنسنا اس کا ہے بلبلوں جیسا
تکنا اس کا عقاب جیسا ہے
آنکھیں جس کی غزال جیسی ہیں
نشہ اس کا شراب جیسا ہے
خال جس کا ہے دلبری اپنی
گال اس کا مذاب جیسا ہے
بال اس کے سنہری چھلے ہیں
چھلا ہر اک طناب جیسا ہے
ہونٹ ہیں جس کے آتش و شعلہ
روپ جس کا شہاب جیسا ہے

❁

رنگ کالا تھا میرے بالوں کا
چاندی اتری ہے تیرے جانے سے
زرد موسم تھا دل کے پتوں کا
سبزہ اترا ہے تیرے آنے سے
غزل اتری ہے تیری سنگت میں
مصرعہ سوجھا ہے تیرے گانے سے
سوگ رشتوں کا دل پہ ٹھہرا ہے
عشق روٹھا ہے تیرے بھانے سے
مان ٹوٹا ہے تیرے رونے سے
ہنسی روئی ہے تیرے لانے سے
آنکھ ٹھہری ہے تیری آہٹ پر
رشتہ اُلجھا ہے تانے بانے سے

❁

ہمارے گھاؤ کبھی ہم کو بھی دکھائی دیں
علاج ایسا کرو خود کو ہم سنائی دیں
کوئی طبیب بھی چارہ گری پہ راضی نہیں
مزارِ زیست پہ اب کس کو ہم دہائی دیں
مکر گیا ہے مرا یار اپنے وعدے سے
تو منصفی پہ اسے کیوں نہ ہم مٹھائی دیں
وفا کا سنتے ہی کچھ لوگ مجھ سے کہتے ہیں
جناب آپ بھی اس کی کبھی گواہی دیں
یہ کیا کہ اوروں میں فیض تیرا بٹتا ہے
دو نین تیرے کبھی ہم کو بھی رسائی دیں

زبیر ساہی

ہاں حلال وحرام چلنے دو
کُہنہ ہے یہ نظام چلنے دو
کیا ضروری ہے روکنا ناصح
اب اُسے بےلگام چلنے دو
زندگی صُبح شام چلنے دو
خَصلَتِ جام عام چلنے دو
روکنا اس کو وقت چاہے ناں
ہے ضروری دوام چلنے دو
مَت کرو تذکرہ برائی کا
بر سَرِ عام دام چلنے دو
ظُلمَتِ شب دوام مانگے ہے
اب اُسے نہ دوگام چلنے دو
خِدمَتِ خاص کام کُہنہ ہے
بس یہی تم یہ کام چلنے دو
اب جو بکھرا تو پھر گیا موسم
پھر نیا اِک نظام چلنے دو
مِل نہ پائے گی تم کو آزادی
موت تک ہو غلام چلنے دو
تُم بُنو خواب خُوشدلی ساہیؔ
حَسرَتِ خُوش خرام چلنے دو

عبدالحمید عدم

وہ پرندے جو آنکھ رکھتے ہیں سب سے پہلے اسیر ہوتے ہیں
وہ جو تیرے فقیر ہوتے ہیں آدمی بے نظیر ہوتے ہیں

جن کو دولت حقیر لگتی ہے، اُف وہ کتنے امیر ہوتے ہیں
دیکھنے والا اِک نہیں ملتا، آنکھ والے کثیر ہوتے ہیں
ہے خوشی بھی عجیب شے لیکن غم بڑے دِل پذیر ہوتے ہیں
اے عدم اِحتیاط لوگوں سے، لوگ منکر نکیر ہوتے ہیں

افتخار راغب

دیواروں سے سہمے در سے خائف
کیوں رہتے ہو اتنا گھر سے خائف
یوں شعلہ فشاں ہر اِک خبر ہے
ہے اخبار بھی خبر سے خائف
ہر دل میں نہیں ہے موت کا ڈر
ہر کشتی نہیں بھنور سے خائف
چوہے سے ڈری ہوئی ہے بلّی
رہزن بھی ہیں راہبر سے خائف
کیوں رہتا ہے طائر تخیّل
اب اپنے ہی بال و پر سے خائف
اُڑ جائیں گے سب کے سب پرندے
گر یوں ہی رہے شجر سے خائف
دکھلائے ہیں اس نے وہ مناظر
آنکھیں بھی ہیں اب نظر سے خائف
لگتا ہے کہ ہے زمین ہر سو
مظلوموں کی چشمِ تر سے خائف
کب آئے گی فصلِ خیر راغبؔ
ہر شے ہے بشر کے شر سے خائف

❁

تیرے بِن ہے کٹھن گزارا بھی
اور کوئی کہاں ہے چارہ بھی
کیا کیا جائے تم ہی بتلاؤ
دل تو لگتا نہیں ہمارا بھی
وقت کے ساتھ گردشوں میں ہے
میری تقدیر کا ستارہ بھی
جان میں جان ڈال دیتا ہے
ایک بے جان سا سہارا بھی
آرزوئیں پنپتی رہتی ہیں
چلتا رہتا ہے روز آرا بھی
اپنے لب کو نہ دیجیے زحمت
کم نہیں آپ کا اشارہ بھی
ذہن و دل بھی تھے مطمئن راغبؔ
کر کے دیکھا تھا استخارہ بھی

❁

دشتِ فرقت میں زندگانی کی
حد نہیں میری بے مکانی کی
ہجر کی رُت کی تیرگی میں عجب
یاد کی لو نے ضو فشانی کی
جانے کب تک دُعائیں دے گا دل
دشمنِ دل کو شادمانی کی
گفتگو جب نہ ہو سکی کھل کر
بدلیاں چھائیں بدگمانی کی
ٹوٹے پتّوں سے داستاں سنیے
ہجر آلود زندگانی کی
اور کب تک سزا دلِ راغبؔ
ایک چھوٹی سی خوش گمانی کی

ڈاکٹر شہناز مزمل

ہر تل پہ ہر رخسار پہ بھی ٹیکس لگے گا
اب وصل کے اصرار پہ بھی ٹیکس لگے گا
سنتے ہیں کہ دیدار پہ بھی ٹیکس لگے گا
اب ٹیکس اداؤں پہ بھی دینا ہی پڑے گا
بے وجہ کے انکار پہ بھی ٹیکس لگے گا
بھر جائے گا اب قومی خزانہ یہ ہے امکاں
ہر عشق کے بیمار پہ بھی ٹیکس لگے گا
اب باغ کی رونق کو بڑھائے گا بھلا کون
ہر پھول پہ ہر خار پہ بھی ٹیکس لگے گا
جس زلف پہ لکھتے ہیں صبح و شام سخنور
اسی زلف کی ہر تار پہ بھی ٹیکس لگے گا
دل بھر کے دیکھ لو جتنا بھی اب چاہو
ہر تل پہ ہر رخسار پہ بھی ٹیکس لگے گا
یاسر میاں دیوان کو اب اپنے سمیٹو
کہتے ہیں کہ اشعار پہ بھی ٹیکس لگے گا

منیر باجوہ

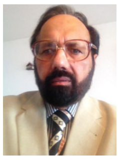

جو زمین میں ہے آسمان میں ہے
سب ہی رب کے فرمان میں ہے
جو خطا کبھی نہیں جاتا
وہ تیر میری کمان میں ہے
پیار جس کی کوئی مثال نہیں
وہ نگاہ مہربان میں ہے
اتنا سوچا نہیں تھا پہلے کبھی
جو آج میرے گمان میں ہے
جب تلک سانس چلتی ہے
زیست تب تک امتحان میں ہے
اڑتے اڑتے خواہ آسماں چھو لو
چین بلبل بس گلستان میں ہے
عشق کا زخم رہے گا تازہ منیرؔ
کچا گھڑا جب تک دھیان میں ہے

عبدالقدیر کوکب

میں تو اکثر ہی تجھے یاد کیا کرتا ہوں
سب رفیقوں میں ترا نام لیا کرتا ہوں
تجھ کو میں یاد ہوں یا مجھ کو بھلا بیٹھے ہو
تیری یادوں کے سہارے میں جیا کرتا ہوں
دوستی جس سے کرو اس کو نبھاؤ ہر دم
اس لئے ساتھ فقط اس کا دیا کرتا ہوں
غم تو ملتے ہیں بہت ان کو مٹانے کیلئے
عشق کا جام میں چپکے سے پیا کرتا ہوں
اپنے پیاروں کیلئے سب ہی دعا کرتے ہیں
اپنے دشمن کے لئے میں تو دعا کرتا ہوں
دوست مجبور ہو کوکب تو کوئی شکوہ نہیں
بیتے لمحوں کو میں اچھا ہی کہا کرتا ہوں

ڈاکٹر ظفر جاذب

تجھے خبر ہی نہیں ہے کہ بعد مدت کے
کسی نے قیس سا بننے کی جستجو کی ہے
لیا ہے ہم نے یہ انداز مرزا غالب سے
کہ جب بھی کی ہے بیاں صاف گفتگو کی ہے
کمال فیض سا میں حوصلہ بھی رکھتا ہوں
عدو کی بات بھی کی ہے تو روبرو کی ہے
کرو جو پیار تو توحید کے اصولوں پر
فقط فراز نے اور میں نے آرزو کی ہے
لیا جو رخت سفر آپ نے کہا اے علی
اسے سنبھال امانت مرے عدو کی ہے
فنا کے بعد بھی جاذب جو زندہ رہتے ہیں
تو یہ کمال یہ خوبی بھی حسن خو کی ہے

حسیب جمال

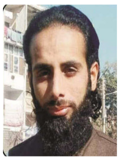

گڑیا سے کھیلتی ہوئی بچی کو دیکھ کر
ماں ہنس رہی تھی حال میں ماضی کو دیکھ کر
کیسے ہمیں نِگل کے اُگل دے گی یہ زمیں
کچھ یاد کیجیے ذرا مچھلی کو دیکھ کر
آنکھیں تو دیکھ لیں، لبِ لعلیں بھی دیکھیے
اور داد دیجے مطلعِ ثانی کو دیکھ کر
رونے سے دل کا بوجھ نہ جانے کہاں گیا
حیراں ہوں غم کی نقل مکانی کو دیکھ کر
اس گھر کی سمت چلتی ہواؤں کے دوش پر
کچھ شعر رکھ دیے کھلی کھڑکی کو دیکھ کر
خیمے، فرات، آہ و فغاں، اشک وخوں جمال
کیا یاد آگیا ہمیں پانی کو دیکھ کر

کرنل باصر نسیم

ہوا تیرے آنگن میں رقصاں رہے گی
چراغوں کے سائے بھی محفوظ ہونگے
کسی پیڑ پر کوئی سرسبز پتّا نہ انگڑائی
لے گا نہ جھومے گا جب تک
تری آنکھ اذنِ تحرّک نہ دے گی
اجازت کا اس کو تبرّک نہ دے گی
ابھی آزمالو
ابھی آسماں تیرے قدموں کے نیچے
بچھا کے دکھا دوں ستارے لٹا دوں
معطر گلابوں کے گہنوں سے تیرا سراپا سجا دوں
تجھے زندگی کا مسیحا بنادوں ابھی آزمالو
دعاؤں کی ظلمت سے آگے نکل کر
کچھ ایسے عبادت کروں تیری جاناں
کہ ہر اہلِ دل کا بنے تو ہی قبلہ
تری دید ہراک کی آنکھوں کا سرمہ بناکے دکھادوں
ابھی آزمالو
اُجالوں سے اُجلی وفائیں ہوں تیری
نہ ہوتے ہوئے بھی صدائیں ہوں تیری
نہ پا کے بھی سمجھیں کہ تیرا چلن ہے
خزاؤں میں بھی گل فشاں ہر چمن ہے
پرانے رواجوں کی زخمی صدائیں
تجھے خواب میں بھی نہ آکے ستائیں
میری آرزو کی طلسماتی دنیا میں خود کو بسا لو
ابھی آزمالو---ابھی آزمالو

امین اوڈیرائی

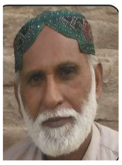

کچھ خوشی کچھ ملاہوا تھا دکھ
ہر ہنسی میں چھپا ہوا تھا دکھ
میرے آگے تھی گردش دنیا
میرے پیچھے لگا پڑا تھا دکھ
دیکھ پایا نہ صاف چہرہ کوئی
آئنے پر لکھا ہوا تھا دکھ
اس لیے گھر نہیں گیا میں بھی
راستے میں کھڑا ہوا تھا دکھ

یہ نہ سمجھو کوئی کہانی ہے
لب پہ رودادِ زندگانی ہے
دامنِ صبر چھوڑ دوں کیسے
میرے اجداد کی نشانی ہے
اب نہیں جانتا مجھے تو کیا

غم سے پہچان تو پرانی ہے
وہ بھی آیا ہی خامشی اوڑھے
رات بھی کس قدر سہانی ہے
چار پیسوں کی بات کر یارا
یہ محبت تو آنی جانی ہے
دیکھ ہم کھا رہی ہیں غم تیرا
کیا کریں بھوک تو مٹانی ہے
آج پرواز کر رہی ہے امین
میری تخلیق پر جوانی ہے

❁

ہر طرف ہوں جہاں حسین آباد
ہم نے کرنی ہے وہ زمین آباد
چین سے بیٹھنے نہیں دیتا
میرے اندر ہے جو مکین آباد
کیا کریں گے ترے گماں مجھ کو
میرے دل میں ہے اک یقین آباد
اُس سے ہر آن بچ کے رہنا تم
اُس کی لگتی ہے آستین آباد
گاؤں میں چار آدمی ہیں ابھی
شہر تو ہو گئے مشین آباد
ایک بستی بسائی خوابوں کی
نام اس کا رکھا امین آباد

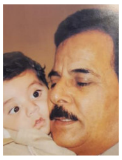

طفیل عامر

کھرے تے سچے، لک نئیں جاندے
چوئے کیہ کجھ ٹک نئیں جاندے
تینوں واجاں مار دے راں گے
حد تک ساہ ایہہ، مک نئیں جاندے
جڑاں جنہاں دیاں ڈونگیاں یارا
رکھ اوہ ڈھٹے سک نئیں جاندے
رہا بوڑ توں، ویکھ دارئیں گا؟
جیوندے بھوئیں چ، ٹھک نئیں جاندے
کنے چا، سفنے دھیاں دے
حد تک لاڑے ڈھک نئیں جاندے
توں اکو نئیں کجھ ہور وی ہین
کم ہو ون توں رک نئیں جاندے

❁

گل کرنی کیہ نادان دی اے
جوہری دی اکھ پچھان دی اے
جیہڑے ہین سیانے، کیہ آکھاں
نا سمجھاں نوں سمجھان دی اے
سن، خیر تے جڑ کے رہن چ اے
ایہہ وتھ تے تھاں شیطان دی اے
کوئی پتر بولے جے اچا
ایہہ گل وڈے نقصان دی اے
اوہ دم تے بھر دے یاری دا
ہن رہ گئی گل ازمان دی اے

شہزاد نیّر

یکتائی کی تنہائی مَیں تنہا ہوں
مرے پہلو میں محوِ خواب عورت بھی اکیلی ہے
اِسی جنگل جڑی عورت کے پہلو میں
نہ جانے خواب کی کس گُدگدی سے
نیند میں ہنستا ہُوا بچّہ بھی تنہا ہے
بھرے گھر کے بھرے کمروں میں یہ کمرا بھی تنہا ہے
گھروں سے گھر جُڑے ہیں پھر بھی دُنیا میں
یہ گھر اپنی جگہ تنہا، یہ بستی بھی اکیلی ہے
حدودِ مشترک پیوستہ ہیں اک دوسرے کے جسم میں
پھر بھی زمیں پر ملک تنہا ہیں
کشش کی ڈوریاں ہر پَل مکانی دُوریوں کو جوڑ
رکھتی ہیں
خلائی آنکھ سے دیکھو زمیں کتنی اکیلی ہے!
جُڑت اک اور شے ہے اور شراکت اور ہی شے ہے
اگر کروٹ بدلتے وقت اک پَل نیند کی سرحد پہ آ کر
خواب میں کھوئی ہوئی عورت
مرے سینے پہ اپنا ہاتھ بھی رکھ دے تو مَیں پھر بھی
اکیلا ہوں
کہ سوچوں کا اک اس کا اپنا جنگل ہے
جہاں یہ روز و شب تنہا
خیالوں کا مرا اک اپنا صحرا ہے
جہاں میں روز و شب تنہا
زمانہ دُور تک پھیلا ہُوا سُنسان ہے
جس میں سبھی یکتا و تنہا ہیں

حافظ ملک جمشید۔ ایبٹ آباد

میں ساحل کے کنارے چلا کرتا ہوں
لوگوں سے الگ تھلگ رہا کرتا ہوں
جب ساتھ تھے ہم ایک دوسرے کے
وہ لمحے یاد کر کے میں روتا ہوں
لوگ کہتے ہیں مجھ کو کہ دیوانہ ہے
رو رو کے اس نے مر جانا ہے
اسے کیا خبر میرے حال دل کی
جو یاد یار میں جیا کرتا ہے
میں کیسے سمجھاؤں ان لوگوں کو
میرے یار نے اک روز لوٹ آنا ہے

چلو خاکسار یہ بستی چھوڑ کر
اس بستی نے تم کو ستانا ہے

فریدہ انجم پٹنہ

نمازوں سے رکھتے ہیں جو بھی محبت
انھیں خوب ملتی ہے دنیا میں عزت
اسی کے تو آگے جھکے گا یہ سر ہی
ہے سینے میں ہر پل اسی کی محبت
نماز اصل میں مومنوں کی ہے معراج
اسی سے تو ملتی ہے انساں کو عظمت
سکونِ دل و جاں نمازوں میں ہے سب
ادا ہوں نمازیں تو ملتی ہے راحت
حقیقت ہی روشن رہے گی ہمیشہ
برائی مٹے ہے اسی کی بدولت
کرو تم نہ ہرگز نمازوں کو ضائع
خبر کیا؟ ملے نہ ملے اس کی مہلت
عطا جب سے ہے یہ نمازوں کی تنویر
دلوں سے چھٹی ہے بجا، ابرِ ظلمت
شب و روز گزریں اطاعت میں اس کی
غذا روح کی ہیں نماز و شریعت
نمازی کا ہر دم چمکتا ہے چہرہ
نمازوں کی انجم سبھی کو ہو عادت

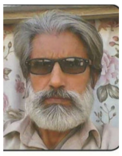

افضل ہزاروی

سب وزیروں کی خیر مولا
بے ضمیروں کی خیر مولا
شاہ اپنا ہی پیٹ پالے
اب فقیروں کی خیر مولا
جو اُجالا نہ دیکھ پائیں
اُن اسیروں کی خیر مولا
زر پہ بیٹھے جو ناگ بن کر
اُن امیروں کی خیر مولا
سادہ لوگوں کو ورغلائیں
ایسے پیروں کی خیر مولا
زخمی کرتے دلوں کو لہجے
ایسے تیروں کی خیر مولا

امن علی امنؔ

تیری اُلفت کے دیئے جب دل میں جلنے لگ گئے
رتجگوں کے سلسلے آنکھوں میں پلنے لگ گئے
یار جن کو دیکھ کر تھے ہاتھ ملنے لگ گئے
دیکھ کر مجھ کو وہ میرے ساتھ چلنے لگ گئے
پیڑ کے گرتے ہی یارو دھوپ سر پر آ گئی
دیکھ کر ہم کو یہ سائے رُخ بدلنے لگ گئے
وصل کی اک رات کیا ہم کو میسر ہو گئی
دل میں جتنے غم تھے سب خوشیوں میں ڈھلنے لگ گئے
دکھ تو یہ ہے ہم کسی کو بھی مکمل نہ ملے
وقت نے کھینچا جدھر چپ چاپ چلنے لگ گئے
میکدے میں اُس کی آمد کیا ہوئی کہ دفعتاً
ساغر و مینا بھی مستی میں اُچھلنے لگ گئے
وقت کے خنجر سے میرا چاک سینہ کیا ہوا
یک بہ یک مرہم کے بھی تیور بدلنے لگ گئے

آنکھوں میں وہ خواب سجایا کرتے تھے
کتنے تارے توڑ کے لایا کرتے تھے
عشق کی چادر اوڑھ کے اپنی مستی میں
باندھ کے گھنگرو یار منایا کرتے تھے
اُن کو وقت نے دیکھو کتنا بدلا ہے
روٹھے ہیں جو مجھے منایا کرتے تھے
اُن بچوں کے لہجے میں اب تلخی ہے
ہاتھوں میں ہم جنہیں کھلایا کرتے تھے
روز چتائیں جلتی تھیں کچھ یادوں کی
دل کو ہم شمشان بنایا کرتے تھے
اِک دوجے کو تحفہ دینے کی خاطر
بچپن میں ہم پھول چُرایا کرتے تھے
یار بزرگوں جیسے پیڑ کہاں ہیں اب
خود جو دھوپ میں رہ کر سایہ کرتے تھے

ڈاکٹر فرزانہ فرحت

درد میں ڈوبے ہوئے میرے مہ و سال نہ دیکھ
میرے ہاتھوں کی لکیروں میں مرا حال نہ دیکھ
تو جو دیکھے گا نجومی تو اُلجھ جائیگا
میری قسمت کے ستاروں کی ابھی چال نہ دیکھ
دیکھ اس دل کا یہ بے رنگ سا پھیکا موسم
میں نے اوڑھی ہے جو رنگوں بھری وہ شال نہ دیکھ
گر مرے دل میں ہے رنجش تو بیاں کر مجھ سے
میرے اس شیشہ دل میں تو کوئی بال نہ دیکھ
میں خطا کار ہوں، کمزور ہوں، لاچار بھی ہوں
میرے مولا! تو مرا نامہء اعمال نہ دیکھ
دیکھ صیاد پرندوں کی تو اُونچی پرواز
قید کرنے کو انہیں کوئی حسیں جال نہ دیکھ
میرے پیروں میں تو کانٹے ہے چبھے ہیں فرحت
میرے اس باغ کی پھولوں بھری تو ڈال نہ دیکھ

عبدالشکور، کلیولینڈ

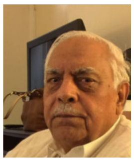

میں سوچتا رہتا ہُوں میری زیست بھی کیا ہے
جیسے کہ اِک ہاتھ پہ اِک ہاتھ دھرا ہے
ڈرتا ہُوں چھلک جائے نہ یہ میری رِدا سے
جو غم میرے سینے میں ہے وہ مُجھ سے بڑا ہے
اِک ایسا تلاطُم ہے کہ تھامے نہیں تھمتا
دِل میرا وہ دریا ہے سمُندر سے سوا ہے
اُترے ہیں کئی بار ہی مِژگاں پہ ستارے
رنگوں کی یہ قوسِ قزاح سب سے جُدا ہے
ہے شور ہواؤں کا کبھی ہُو کا ہے عالَم
لگتا ہے تہہِ دشت کوئی سیلِ بلا ہے
جتنے بھی ہیں یہ زخم سب اپنوں نے دئے ہیں
غیروں سے شکایت نہ مُجھے کوئی گِلہ ہے
سوچا ہے کبھی تُم نے، کبھی غور کیا ہے
یہ سلسلہِ جور و جفا، اجرِ وفا ہے

❁

زیست کے ناقہِ بیکار سے ڈر لگتا ہے
اس کے بدلے ہوئے آثار سے ڈر لگتا ہے
خوف ہے کہ سمیٹنے نہیں دیتا مُجھ کو
خاک وخس کے اس انبار سے ڈر لگتا ہے
اِک تمنّا تُجھے تحفظ جاں نذر کروں
ایک وحشت ترے اِنکار سے ڈر لگتا ہے
شاد رکھتی ہے ترے لُطف و کرم کی اُمید
اور تری غفلتِ بسیار سے ڈر لگتا ہے
خُود کو دیکھوں کبھی پیرہنِ جاں کو دیکھوں
ایسی حالت کہ اِظہار سے ڈر رکھتا ہے
ہے سفینہ کفِ قلزمِ حیرت، مَدَدے!
نا خُدا سے کبھی پتوار سے ڈر لگتا ہے

افتخار راغب

خواہشیں ہیں حصار کی صورت
دیکھ اے دل قرار کی صورت
صورتِ زندگی نہ کر دے مسخ
یہ ترے انتظار کی صورت
ہجر میں دل تنور کے مانند
چشمِ تر آبشار کی صورت
جانے کیا رہ گیا ہے سینے میں
چبھتا رہتا ہے خار کی صورت
آنکھ ویران سی ڈگر جیسی
دل ہے اُجڑے دیار کی صورت
خاک کر دے نہ یہ ریاکاری
تجھ کو گرد و غبار کی صورت
دیکھ آنکھوں میں ہے چمک کیسی
دیکھ اہلِ قرار کی صورت
ذہن ودل میں ہے جانے کیوں راغبؔ
مستقل انتشار کی صورت

بی اے ندیم

یہ سلسلہ کمال ہے انا کے اس سفر میں بھی
جو رابطہ بحال ہے انا کے اس سفر میں بھی
بچھڑ کے مجھ سے وہ بھی تو کہیں کا اب نہیں رہا
اسے بھی یہ ملال ہے انا کے اس سفر میں بھی
یہ مصلحت تھی درمیاں جو فاصلے یہ بڑھ گئے
عروج پر زوال ہے انا کے اس سفر میں بھی
نہ پوچھ مجھ سے ٹوٹتیں ہیں کس طرح یہ ساعتیں
کٹے شجر سا حال ہے انا کے اس سفر میں بھی
محبتوں میں کب اسے جدائیوں کا خوف تھا
وہ شخص خود نڈھال ہے انا کے اس سفر میں بھی
ابھی تو یاد ہیں مجھے وہ تلخیاں حیات کی
خودی کو پھر زوال ہے انا کے اس سفر میں بھی
وہ ذات میں مری ندیم کس طرح سمو گیا
اسے بھی یہ خیال ہے انا کے اس سفر میں بھی

پاکستان اور افغانستان

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

گر سمجھنے کو مجھے واں دیدہ ور کوئی نہ تھا
مت کہو میرا حوالہ معتبر کوئی نہ تھا
تیرگی چھائی رہی تھی ایک عرصے تک یہاں
اُس سے پہلے باعثِ نورِ سحر کوئی نہ تھا
کیا دکھاتا میں کسی کو اپنے گھر کا راستہ
جب دیا، تاریک شب میں، میرے گھر کوئی نہ تھا
پھر خدا نے اس کی دی سارے زمانے کو خبر
ورنہ اس کو جاننے والا بشر کوئی نہ تھا
قافلے میں جب تلک شامل نہ تھے، تنہائی تھی
یہ نہیں تھا ساتھ اپنے، ہم سفر کوئی نہ تھا
مل کے میرِ کارواں سے پھر ہوا احساس یہ
چل رہے تھے یوں تو، سیدھی راہ پر کوئی نہ تھا
دوست ہم جن کو سمجھتے تھے وہی دشمن ہوئے
گو نہیں تھے غیر وہ، اپنا مگر کوئی نہ تھا
آزمائش ہر قدم پر گو ہوئی طارقؔ مگر
جو رہا ثابت قدم وہ بے ثمر کوئی نہ تھا

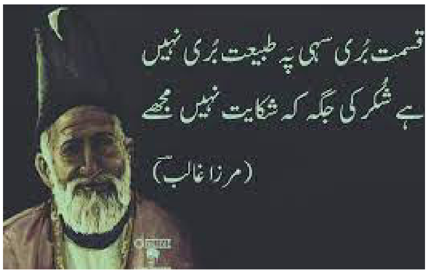

منیر باجوہ

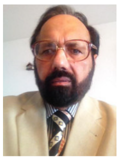

"فکر دلبری کا ہے"

دھڑکا دل کو یہ دل لگی کا ہے
جذبہ سارا ہی دلکشی کا ہے

عاشق زار کی لگن دیکھو
فکر دلبر کو دلبری کا ہے

دل الفت سے گر نہیں پھڑکے
قصہ پھر تو یہ بے حِسی کا ہے

ہم سے ہنس کر اگر نہیں ملتے
ناطہ کیسا یہ بے رخی کا ہے

جام، مِینا، سبو، صراحی کیا
ساز سارا یہ میکشی کا ہے

تیری آنکھوں سے گر نہیں پی تو
دَور ساقی یہ تشنگی کا ہے

دل عشق میں نہ بس میں رہے
منیؔر عالم یہ بے بسی کا ہے

مرشد

مرشد ذرا سنو تو یہ قصہ ہے رات کا
مرشد ببانگ دہل ہوئی تم کو مات کا
مرشد ہمیں اک بزم میں ڈاکٹرنی مل گئی
مرشد اسے جو دیکھا تو بس جان جل گئی
مرشد تمھاری نظم کی جب بات چل پڑی
مرشد تمھیں بتاؤں کیا وہ تو ابل پڑی
مرشد پھر اس کا لہجہ بڑا سرد ہوگیا
مرشد ہمارے سر میں بڑا درد ہوگیا
مرشد پھر اس نے مرشدی پہ تبصرہ کیا
مرشد تمھاری نظم کو ایسا تباہ کیا
مرشد تمھاری نظم سے نکتے نکال کر
ہنس ہنس کے گویا قبر سے مردے نکال کر
اس نے ہر ایک شخص کو حیران کردیا
مرشد ہمارے دل کو تو ویران کردیا
مرشد وہاں پہ لوگ سبھی دنگ رہ گئے
مرشد واں ڈاکٹرنی کے بس رنگ رہ گئے
مرشد تمھیں بتاؤں جو لب لباب ہے
مرشد تمھاری نظم کا خانہ خراب ہے
ڈاکٹرنی آ کے بزم میں جو بات کرگئی
مرشد تمھارے دن کو بھی وہ رات کرگئی
مرشد ہماری بزم میں کل ناک کٹ گئی
مرشد تمھاری مرشدی کی واٹ لگ گئی

منتخب اشعار

ڈاکٹر شہناز مزمل

مجھے راستوں کی خبر نہ تھی اُڑی خاک میرے وجود کی
میں تلاش کرتی ہوئی تجھے ترے لامکاں سے گذر گئی

اب جُنوں کی انتہا ہونے کو ہے
کیا خبر کیا سانحہ ہونے کو ہے

میں چنار اور جنگل رات بھر اکیلے تھے
چاند کے سلگنے کا بھید پانے ٹھہرے تھے

کرچیاں سی بکھری تھیں ہر طرف فضاؤں میں
پتھروں کے شہروں میں آئینوں کے میلے تھے

خالی نظروں سے مجھے دیکھا کہا کچھ بھی نہیں
کیا ہوا ایسا کہ کہنے کو رہا کچھ بھی نہیں

عکس مجھ کو کیا دکھائے گا یہ ٹوٹا آئینہ
کرچیاں بکھری ہیں ہر سو اور بچا کچھ بھی نہیں

اپنی اپنی ذات کی دہلیز پہ سب رُک گئے
مل کے لکھا فیصلہ لیکن ہوا کچھ بھی نہیں

آفتاب شاہ

تمہارے ہاتھوں پہ دل بنانا بنا کے دل کو لگانا دل پر
اسی پہ ہنسنا اسی پہ رونا اسی سے ہستی کی شام لینا
نظر ملانا مجھے ستانا پلٹ کے تیرا نظر چرانا
نظر چرا کے دوبارہ تکنا دوبارہ تک کے سلام لینا
سلام لے کر سمٹتے رہنا دبا کے ہاتھوں پہ غور کرنا
جھکا کے پلکیں قریب آنا حیا سے مجھ کو وہ تھام لینا
ستا کے مجھکو ہرا کے مجھ کو بدن سے میرے چپکتے جانا
نشے میں رہنا بھٹکتے پھرنا لبوں سے میرے وہ جام لینا
خطوط لکھنا تو جان لکھنا کبھی کبھی تو جہان لکھنا
تمام حرفوں پہ لب لگا کر خوشی میں تیرا وہ نام لینا
چھتوں پہ چڑھنا بہانہ کر کے ادھر سے چھپ تم کو تکنا
صدائیں دینا بلائیں لینا خرد سے کوئی نہ کام لینا
گلی میں جانا تمہاری خاطر دکان داروں سے گپ لگانا
سبھی کو کہنا خیال رکھنا نہ تم سے کوئی بھی دام لینا

منظر بھوپالی

ستم کروگے ستم کریں گے
کرم کروگے کرم کریں گے
ہم آدمی ہیں تمھارے جیسے
جو تم کروگے وہ ہم کریں گے
چلائے خنجر تو گھاؤ دیں گے
بنوگے شعلہ آلاؤ دیں گے
ہمیں ڈبونے کی سوچنا مت
تمہیں بھی کاغذ کی ناؤ دیں گے
قلم ہوئے تو قلم کریں گے
جو تم کروگے وہ ہم کریں گے

تم اُٹھتے ہاتھوں کو کاٹ ڈالو
کہ شہر لاشوں سے پاٹ ڈالو
پھر اگلا موسم ہمارا ہوگا
چمن کا سبزہ بھی چاٹ ڈالو
کہ ہم بھی نہ اس سے کم کریں گے
جو تم کروگے وہ ہم کریں گے
گلاب دوگے، گلاب دیں گے
محبتوں کا جواب دیں گے
خوشی کا موسم جو ہم کو دو گے
تمہیں گلوں کی کتاب دیں گے
کبھی سروں کو نہ خم کریں گے
جو تم کروگے وہ ہم کریں گے
وہ دیکھو ظالم کی ہار دیکھو
خدا کی لاٹھی کی مار دیکھو
پروں کو سب کے جو کاٹتا ہے
سمے کے خنجر کی دھار دیکھو
چلو کہ جشن اب ہم کریں گے
جو تم کروگے وہ ہم کریں گے
ہواؤں کو اب لگام دے لو
سنو نہ چنگاریوں سے کھیلو
ملی جو رائی بنے گی پروت
ذرا حقیقت سے کام لے لو
ستم کے بدلے ستم کریں گے
جو تم کروگے وہ ہم کریں گے
ابھی رمق بھر ہے روشنی کی
کہ آس باقی ہے زندگی کی
اگر بجھایا آلاؤ تو پھر
نہ ہوگی اک بوند روشنی کی
چراغ کچھ ہم بھی کم کریں
جو تم کروگے وہ ہم کریں گے
نیائے تم کو پکارتا ہے
سنو جو تم میں اُدارتا ہے
ہمیشہ جیتی ہے آدمیت
جو ظلم کرتا ہے ہارتا ہے
ستم کا سر ہم قلم کریں گے
جو تم کروگے وہ ہم کریں گے
ستم کروگے ستم کریں گے
جو تم کروگے وہ ہم کریں گے

ساجد محمود رانا

عاشق ہے تُو پھر نہ ہو مائل جگہ جگہ
دیتے نہیں ہیں اہلِ وفا دل جگہ جگہ
زخمی جگہ جگہ کہیں بسمل جگہ جگہ
چرچہ تیرے ستم کا ہے قاتل جگہ جگہ
تیری نظر نہ ہو تو کنارہ بھی موج ہے
گر ہو تیرا کرم تو ہے ساحل جگہ جگہ
اے بادشاہِ حُسن میں تیرا فقیر ہوں
خیرات دے نہ کر مجھے سائل جگہ جگہ
ہر بات پہ مجھے ہی نہ ٹھہرا قصور وار
تو بھی بتا تو ساتھ ساتھ تھا شامل جگہ جگہ
وہ بھی تو ہر مقام پہ ساجدؔ عیاں رہے
میرا وجود ہو گیا، حائل جگہ جگہ

ڈاکٹر ظفر جاذب

یہ پیش بجلی کا بحران کٹ بھی سکتا ہے
کریں معاہدہ گر حکمران چین کے ساتھ
پدر کی ضد ہے کسی طور میں نہ بیچوں اسے
کچھ ایسا گہرا تعلق ہے اس زمین کے ساتھ
سبھی حروف میں بس ش ہے پسند مجھے
کہ اس کے نام کا آغاز جو ہے شین کے ساتھ
زمیں پہ سانپ جو انساں کی شکل گھومتے ہیں
یہ مست ہوتے ہیں خوشامدوں کی بین کے ساتھ
وفا، خلوص، محبت کے دعوے جس نے کئے
وہ دوست رات کو دیکھا منافقین کے ساتھ
خدا کا شکر کہ جاذب بدی سے بچتا ہوں میں
خدا کا شکر کہ کچھ ہے لگاؤ دین کے ساتھ

محمد علی سوز

پیار بس کرتے تھے پہلے اب نبھانا آ گیا
عاشقوں کی زندگی میں یہ زمانہ آ گیا
اجنبی لوگوں کی خاطر دور مجھ سے ہوگئے
ہر کسی سے اب تو تم کو دل لگانا آ گیا
ہر طرف اب مفلسی ہے ہر طرف افسردگی
پہلے تو ایسا نہیں تھا، کیا زمانہ آ گیا
ہر شریف النفس اب کشکول تھامے گا یہاں
زد میں مہنگائی کے سب کا آشیانہ آ گیا
پیار، میٹھی گفتگو، اخلاق کے اوزار سے
مجھ کو ہر بنجر زمیں میں گل کھلانا آ گیا
خوف سے بچوں کے اب تو باپ ہیں سہمے ہوئے
رفتہ رفتہ آتے آتے کیا زمانہ آ گیا
لگ گیا ہوں بیٹھنے میں جب سے باغِ حسن میں
رنگ اور خوشبو کا آمیزہ بنانا آ گیا
والہانہ پن تمہارا دیکھنے کے بعد ہی
سوز کا دل تم پہ جاناں والہانہ آ گیا

عالمی بزمِ ترویجِ اردو پاکستان کے زیرِ اہتمام
پہلا عالمی خواتین مشاعرہ

ادارہ

16 جون 2022 کو لاہور کے ای لائبریری میں منعقد کیا گیا پاکستان میں یہ اس اعتبار سے ایک منفرد تجرباتی مشاعرہ تھا کہ جس کی شرکاء پاکستان بھر سے تشریف لائیں صرف خواتین تھیں۔ عالمی بزمِ ترویج اردو پاکستان کے چیئرمین شعیب محی الدین محمد گنجِ شکر صاحب ہیں جبکہ محترمہ افشین شہر یار صاحبہ اس تنظیم کی شریک چیئر پرسن اور ڈاکٹر طاہر شاہ آصفی بخاری تنظیم ہذا کے جنرل سیکٹری ہیں۔ فیمان محی الدین اور محترمہ فاطمہ محی الدین صاحبہ نے اس مشاعرے میں خصوصی شرکت کر کے شاعرات کی بھرپور پذیرائی کی۔ مشاعرے کی صدارت: محترمہ طاہرہ جبیں صاحبہ نے کی، جبکہ معروف شاعر جناب نینا تبسم، مہوش احسن مہمانِ خصوصی تھیں۔ مشاعرے کی نظامت اسماء دریں ماہی نے کی انجام دی۔ شاعرات صغریٰ صدف، شازیہ عالم شازی، ثوبیہ نیازی۔ محترمہ نرگس نور، علیمہ جبیں، سیدہ نافع سلطان، صباحت سعد، سحرش سلیم، صلہ سندھو، فوزیہ سعدی، شبنم مرزا، ام ایمن ہاشمی، دردہ عارف، امِ فروہ ہاشمی، سمیرا ساجد، شبنم شاہین صاحبہ اور دیگر شاعرات شامل تھیں تمام شاعرات نے اپنا عمدہ اور بھرپور کلام پیش کیا۔ اور حاضرینِ محفل سے خوب داد سمیٹی مشاعرے کے اختتام پر تقسیم انعامات کا اہتمام بھی کیا گیا جس میں بہترین مشاعرہ پڑھنے پر پہلا انعام کراچی سے تعلق رکھنے والی منفرد لہجے کی ممتاز شاعرہ شازیہ عالم شازی کو دیا گیا جبکہ دوسرا۔ ام فروا شیخو پورہ سے اور تیسرا۔ اسماء ماہی ملتان سے۔ دیا گیا۔

مشاعرے کے اختتام پر پہلا انعام حاصل کرنے والی کراچی کی ممتاز شاعرہ شازیہ عالم شازی نے اپنے اختتامی کلمات میں کہا کہ میں اپنی نوعیت کے اس منفرد مشاعرے میں شرکت کر کے بحد لطف اندوز ہوئی ہوں ساتھ ہی میں اس مشاعرے کے بہترین انعقاد پر یہاں کے منتظمین کی بے پناہ انتظامی صلاحیتوں اور عمدہ نظم وضبط کا تہہ دل سے اعتراف کرتے ہوئے خصوصی طور پر مبارک باد پیش کرتی ہوں اور دعا گو ہوں کے اللہ تعالیٰ آپ کی بزم، عالمی بزمِ ترویجِ اردو پاکستان کو اپنے نیک مقاصد میں کامیاب بنائے آمین، تمام شرکائے مشاعرہ نے بے حد عمدہ اور دلکش کلام پیش کیا۔ یہ تقریب ہر لحاظ ایک بہترین یادگار کے طور پر ذہن ودل پر نقش رہے گی یہ ایک عمدہ کاوش تھی امید کرتی ہوں کہ اس طرح کی محافل اردو کی ترویج میں فاعل کردار ادا کرنے میں معاون ثابت ہوں گی۔ پروگرام کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے عالمی بزمِ ترویج اردو پاکستان کے چیئرمین شعیب محی الدین محمد گنجِ شکر صاحب نے تمام شرکاء، منتظمین اور مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بتایا کہ اس تنظیم کی بنیاد 2016 میں رکھی گئی تھی ابتداء میں اس کا مقصد ماہانہ مطرب کے قاریوں کو یکجا کرنا تھا آگے چل کر اس میں حقیقی ادیب وشاعر شامل ہونے لگے تو یہ ادبی تنظیم کے کی شکل اختیار کرنے لگی مگر آج الحمدللہ اب یہ ادب کا ایک با قاعدہ فعال ادراہ بن چکا ہے جس کا صدر دفتر رحمن گلی نمبر 6 میں واقع ہے جہاں سے اس ادارے سے ادبی خدمات کے کام ترتیب دیئے جاتے ہیں۔ ان شاء اللہ یہ ادارہ جو ابھی ترقی پذیر ہے بہت جلد ادب کا ایک تناور درخت بن جائے گا جس سے موجودہ اور آئندہ آنے والی نسلیں مستفیذ ہوں گی۔

عبدالشکور کلیولینڈ

وہ آئنے سے کہے صاحبِ حیا ہوں میں
اور آئنہ یہ کہے دیکھ آئینہ ہوں میں
چراغ بجھ گیا لیکن وہ روشنی کا سفر
تمام عمر جسے دیکھتا رہا ہوں میں
بجا کہ رنگ تغزل ترے جمال میں ہے
مجھے بھی دیکھ محبت کا فلسفہ ہوں میں
سمندروں کی طرح ظرف ہے مرا پھر بھی
بدن پکار رہا ہے سراب سا ہوں میں
عجیب لمس تھا اس کے بدن کی خوشبو کا
وہ ایک لمحہ کہ تب سے گلاب سا ہوں میں
کمال ضبط ہے یہ انتہائے شوق ہے یہ
ہوا کے ہاتھ پہ ہوں پھر بھی جل رہا ہوں میں

انجم جاوید

وسعت آسماں نہیں معلوم
کھو گیا دل کہاں نہیں معلوم
کیسے کھولوں جہاں کی گتھی کو
مجھ کو رمز جہاں نہیں معلوم
کیسے نکلوں حصار اُلفت سے
راستہ ہے کہاں نہیں معلوم
مسکراہٹ تو ہے لبوں پہ مگر
ہے ہنسی یا فغاں نہیں معلوم
رکھ دیئے ہونٹ اس نے ہونٹوں پر
پھرہوا کیا میاں نہیں معلوم
ایسا لگتا ہے تم مرے ہو مگر
ہے یقیں یا گماں نہیں معلوم
اک اداسی سی دل پہ طاری ہے
جائے گی کب خزاں نہیں معلوم
ہوں میں انجم حساب میں کمزور
مجھ کو سود و زیاں نہیں معلوم

چیف سید معین شاہ
کینیما مغربی افریقہ

مجھے گورنمنٹ سیکنڈری سکول، کینیا، سیرالیون، مغربی افریقہ میں 10 سال (1981-1971) تک بحیثیت سائنس ٹیچر خدمت کرنے کا موقع ملا۔ میرے شاگردوں میں ملک میں کئی اب وزیر، سفیر اور دوسرے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز ہیں۔ سن 2017 میں انہوں اسی سالانہ فنکشن پر بلایا اور میری تعلیمی وسماجی خدمات کو سہراتے ہوئے میرے بحیثیت ایک چیف تاچیوشی کی۔ اب میں وہاں ایک چیف کی حیثیت سی جانا جاتا ہوں۔ اس طرح یہ اعزاز پانے والوں میں سے میں پہلا پاکستانی قرار پایا ہوں۔ مئی 2022 میں اس سکول کی پلاٹینم جوبلی منائی گئی جس میں انہوں نے مجھے Special Guest of Honour کے طور پر مدعو کیا۔ سیرالیون میں میری آمد پر جس عزت، محبت واحترام سے میرا استقبال ہوا کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ غیر نہیں بلکہ میرے اپنے ہی ہیں۔ اس موقع پر میرے دل میں جو جذبات ابھرے ان کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

آج پھر مجھے اپنوں نے بلایا ہے
توفیق باللہ ان سے ملایا ہے
عرصہ دراز ہوا جو ان کو چھوڑا ہے
پیار میرا انہوں نے نہ بھلایا ہے
عزت کرو تم گر عزت کمانی ہے
یہی جو خدا نے ہمیں سکھلایا ہے
جو اس کا ہوگیا، وہ سب پا گیا
یہ میں نے خوب آزمایا ہے
جانتا ہوں کہ میں نہ تھا اس قابل مگر
اُس کے پیار نے ہی سب مجھے دلایا ہے
وہ رحیم ہے، وہ کریم ہے، وہ عظیم ہے
جب بھی پڑی مشکل، وہ آسرا بن کے آیا ہے
معین! کس طرح کروں ادا شکر تیرا خدایا
سب تیری ذات کی عنایات سے ہی پایا ھے

والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کا عظیم الشان ماہانہ مشاعرہ

معروف شاعرہ ڈاکٹر فرزانہ فرحت کے مجموعہ کلام ''فصلِ آرزو'' کی تقریب رونمائی

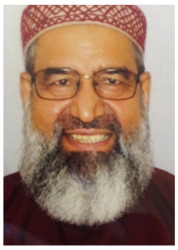

(رپورٹ، فوٹوز، الف میم) سابقہ چودہ برسوں سے ہر ماہ کی پہلی اتوار کو ایسٹ لندن کے مشہور پاکستانی علاقے والتھم سٹو میں ''والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم'' کی جانب سے عظیم الشان مشاعرے کا انعقاد ہوتا ہے جس میں مقامی شعرا و شاعرات کے مجموعہ کلام کی تقریب رونمائی بھی کی جاتی ہے۔اس بار اس ماہ کی دوسری ادبی محفل مورخہ 19 جون بروز اتوار ایک بجے لی برج روڈ لائبریری، لی برج روڈ لیٹن ای ۱۰ کے ہال میں سجائی گئی۔جس کی نظامت حسب معمول تنظیم کے روح رواں معروف شاعر امجد مرزا امجدؔ نے اپنے خوشگوار انداز میں کی جبکہ تنظیم کے صدر جناب ڈاکٹر رشید اختر کے ساتھ اسٹیج پر آج کی ادبی محفل کی صدر معروف شاعرہ محترمہ سیدہ کوثر صاحبہ مہمان خصوصی ڈاکٹر فرزانہ فرحت جن کے چوتھے شعری مجموعہ کلام ''فصل آرزو'' کی تقریب رونمائی ہے، اور مہمان اعزازی معروف شاعرہ محترمہ شاہین اختر شاہین جلوہ افروز تھیں۔ہال میں کافی شعرا و سامعین موجود تھے ۔ پروگرام کی ابتدا قرآن پاک کی تلاوت سے کی گئی جس کا شرف علامہ محمد اسماعیل صاحب کو حاصل ہوا۔

معروف گلوکار جناب شیخ محمد یوسف نے نعت مقبول پیش کی۔اسٹیج پر تشریف فرما دونوں صدور نے محترمہ ڈاکٹر فرزانہ فرحت کی کتاب ''فصلِ آرازو'' کی رونمائی کی رسم ادا کی، ہال میں تالیوں کی گونج میں انہیں مبارک دی گئی۔امجد مرزا امجدؔ نے کتاب، شاعری اور شاعرہ پر اپنا لکھا ہوا مضمون پڑھا اور جرمنی کے معروف شاعر شفیق مراد صاحب نے اور ٹیلفورڈ کے معروف استاد شاعر جناب محترم ڈاکٹر منور احمد کنڈے صاحب نے ایک مضمون اور نہایت خوبصورت نظم فرزانہ فرحت کی شاعری اور اس کتاب پر بھیجی اس کے علاوہ معروف شاعرہ محترمہ عابدہ شیخ نے بھی ڈاکٹر فرزانہ فرحت پر ایک رباعی بھیجی جو امجد مرزا نے یہ تمام مضامین پڑھے جو بہت پسند کئے گئے اور تالیوں کی گونج میں داد دی گئی۔آج کی ادبی محفل کی صدر محترمہ سیدہ کوثر صاحبہ نے بھی نہایت پر مغز اور خوبصورت مضمون ڈاکٹر فرزانہ فرحت کی شاعری اور کتاب پر پڑھا جس کی انہیں بہت داد ملی۔پھر حسب معمول ڈاکٹر

فرزانہ فرحت صاحبہ نے کتاب سے اپنا پیش لفظ پڑھا جو نہایت افسانوی و شاعرانہ انداز میں لکھا تھا جس پر ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔اس کے بعد انہوں نے اپنی کتاب سے چند غزلیں بھی پڑھیں۔اس طرح اس خوبصورت ادبی محفل کا پہلا حصہ ختم ہوا اور مشاعرے کی ابتدا کی گئی۔صاحب نظامت امجد مرزا امجدؔ نے پچھلے پروگرام کی طرح اس بار بجائے اپنا کلام پڑھنے کے ڈاکٹر فرزانہ فرحت کے نئے شعری مجموعہ سے ایک غزل اپنے خاص انداز و ترنم میں سنائی جس پر انہیں خوب داد ملی۔

اس دوران والتھم فاریسٹ کی ایک جانی پہچانی سماجی و سیاسی شخصیت محترم کونسلر افضل اکرم صاحب تشریف لائے جن کو دعوت دی گئی تو انہوں نے اپنے بارے میں بتایا کہ میں اسی ملک کی پیدائش ہوں اور عرصہ دراز سے سیاست و کاروبا میں مشغول ہوں یاد رہے کہ افضل اکرم نہایت بے باک سچے اور کھرے انسان ہیں وہ چند سال پہلے بھی کونسلر تھے مگر ان کی شخصیت میں ’’یس مین‘‘ کا عنصر نہیں پایا جاتا تھا اور جہاں بھی کوئی انگریز کونسلر یا کونسل مقامی پاکستانیوں کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی کرتے یہ تن کے کھڑے ہوجاتے اور احتجاج کرتے،انہوں نے اُس وقت بھی پاکستانی کمیونٹی کے لئے بے شمار کام کئے جس کی پاداش میں ان کی کونسلر شپ ختم کردی گئی تھی مگر اب پھر الیکشن جیت گئے اور والتھم فاریسٹ میں کونسلر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

ان کے بعد حاجی فضل حسین، محمد جہانگیر، اقبال گل، شیخ محمد یوسف، صوفی لیاقت، محمود علی محمود، پرفیسر عبدالقدیر کوکب اور اسٹیج سے شاہین اختر شاہین، ڈاکٹر فرزانہ فرحت اور محترمہ صدر سیدہ کوثر صاحبہ نے اپنا کلام سنا کر داد پائی۔تنظیم کے صدر جناب ڈاکٹر رشید اختر صاحب نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا جس کے بعد ہال میں موجود اکثریت لوگوں نے ڈاکٹر فرزانہ فرحت کے شعری مجموعہ کو خریدا جو ایک نہایت حوصلہ افزائی تھی شاعرہ کی۔پروگرام کی ابتدا میں حسب معمول تمام مہمانوں کی خاطر تواضع چائے بسکٹ اور مزیدار سموسوں سے کی گئی۔ ۴ بجے پروگرام کا اختتام ہوا اور خوبصورت یادوں کے ساتھ تمام مہمان رخصت ہوئے۔یاد رہے کہ انشاء اللہ اگلے ماہ جولائی کی پہلی اتوار مورخہ 3 کو ایک بجے اسی ہال میں مشاعرے کا انعقاد ہوگا جس کا دعوت نامہ تمام احباب کو بھیجا جائے گا۔دعوت عام ہے۔

آفتاب شاہ

✿ ہر اہم دن گزر کر غیر اہم ہوجاتا ہے۔کیوں اس دن کو غیر اہم ہم خود بناتے ہیں۔کچھ دن منانے کے لیے نہیں ہوتے بلکہ لباس کی طرح اوڑھنے والے ہوتے ہیں۔خوشبو کی طرح ہر لمحہ محسوس کرنے والے ہوتے ہیں۔خوش دلی کے ساتھ اپنی ذات میں جذب کرنے والے ہوتے ہیں۔سرمے کی طرح آنکھوں میں لگا کر دنیا کو دیکھنے والے ہوتے ہیں لیکن کچھ دن اچھے اسباق کی طرح یاد رکھنے اور پڑھنے والے ہوتے ہیں۔دوسروں کو آگاہ کرنے کے والے ہوتے ہیں۔امتحان کی طرح زندگی نصاب میں شامل کرنے والے ہوتے ہیں۔لیکن افسوس تو اس بات کا ہے ہمارے اہم دن سونے کے لیے اور عام دن رونے کے لیے ہوتے ہیں۔

✿ عروج اور زوال ارتقاء کے عمل سے جڑے ہیں لیکن عام طور پر عروج کو منزل سمجھ کر فخر کا اظہار کیا جاتا ہے جبکہ حقیقت میں زوال وہ سبق آموز مرحلہ ہوتا ہےجہاں فکر اور خیال کی پرتیں کھلتی بھی ہیں اور اشک بار کیفیات بھی عاجزی پیدا کرتی ہیں جو لوگ کامیابی کو زندگی سمجھتے ہیں وہ اصل میں اپنے لیے تکلیف کی شدت کو بڑھا رہے ہوتے ہیں لیکن وہ لوگ جو زوال کو زندگی کو جزو سمجھتے ہیں وہ ہمیشہ وقت سے آشنائی کا دم بھرتے ہیں۔فخر اور غرور تب تک ہے جب تک خود ساختہ کامیابی کا عکس نظر آتا ہے لیکن جب زوال کے آثار نظر آنے شروع ہوجائیں تو سایہ بھی کنارہ کش ہوجاتا ہے۔

✿ دنیا کو خوش کرنے کے لیے خود کو بجھی کا عرق پلانا پڑتا ہے۔ہر ایک کے آگے جا کر بتیسی کھول کر جی حضوری کا ورد کرنا پڑتا ہے۔اپنی ذات میں سے انا کو قتل کر کے اس کی لاش بہت گہرے کنویں میں پھینکی پڑتی ہے۔اپنی خواہشات کو پھانسی دے کر دوسروں کے لیے جینا پڑتا ہے۔دنیا کے رنگ میں خود کو رنگ کر دنیا کرنا پڑتا ہے لیکن دنیا پھر بھی خوش نہیں ہوتی۔اگر اپنے وجود کا قیمہ کر کے بھی لوگوں کو کھلا دیا جائے پھر بھی خلوص کے ذائقے کی کمی کا ذکر کیا جائے گا۔دنیا کو خوش کرنے کی بجائے خود کو مطمئن رکھیں۔اپنی جائز خواہشات کو مکمل کرنے کے لیے دنیا سے ٹکرا جائیں یقین مانیں دنیا آپ کو ہر روپ میں قبول کرے گی۔کیونکہ یہ معاشرہ ڈاکو کے منہ پر عزت دار کا دکھاوا

کرتا ہے اور عزت دار کوڈا کو بنانے میں دیر نہیں کرتا۔

۞ تیسری دنیا کے ممالک میں سیاسی جماعتوں کا مزاج کبھی بھی قومیت میں ڈھل نہیں سکتا۔ وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس قومیت کا ایجنڈا نہیں ہے بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ ہر جماعت کے پاس قوم کو بیوقوف بنانے کا آزمودہ اور بہترین نسخہ دستیاب ہے۔ اور یہ نسخہ ہر چار یا پانچ سال باد چند ہنر مندوں کی مدد سے عوام پر آزما کر انہیں پہلے سے زیادہ تکلیف میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ یہ دکھ اور تکلیف تب دوگنا ہوجاتی ہے جب ان ہی سیاست دانوں کو گردن پر سوار کرنے کے لیے عوام گدھے کا روائتی کردار ادا کرنا شروع کر دیتی ہے۔ شاید اسی کو بے عمل قوم کا نوحہ کہا جاتا ہے۔

۞ ہم ان قوموں میں شمار ہوتے ہیں جو اسلاف کا ذکر کریں تو تنقید ہوتی ہے اور اگر موجودہ ترقی کا ذکر کریں تو بھی تنقید ہوتی ہے ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ دنیا کو ہماری ضرورت کیوں ہوگی اگر ہم دنیا کے فائدے کے لیے کام نہیں کرتے اور ہمیں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ ہمیں دنیا کی ضرورت کیوں ہے کیونکہ بغیر دنیا کے ہم ماضی کا سفر تو کر سکتے ہیں لیکن مستقبل کی تعمیر ممکن نہیں ہے۔ تو پھر ایسی قوم کی تعمیر کرنا ضروری ہے جو ماضی کے دانشوروں سے عقل اور شعور سیکھے اور حال میں رہ کر قوم کی وہ تربیت کرے جو مستقبل کی امین ہو۔ خالی دانشوری بھی کسی قوم کی حالت نہیں بدل سکتی۔

۞ اقتدار کی بندر بانٹ میں جب حریف کو چاروں شانے چت کرنا ہو تو قومی مفاد کا نعرہ لگا کر قبضے کی راہ ہموار کی جاتی ہے۔ عمران خان شیطان تھا یا فرشتہ لیکن ایک بات تو غیر جانبداری سے ناقدین بھی کہہ سکتے ہیں کہ عوام کی سسکیاں اس دور میں آہ و بکاہ تک نہیں پہنچیں تھیں۔ عوام کی لاش کو اتنی بے دردی سے بے گور کفن چوک چوراہوں پر لٹکا یا نہیں جا تا تھا۔ قوم کی قوتِ خرید کو قوتِ ذلیل میں تبدیل کرنے کا بھکاریانہ عمل ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ عوام کے تن پر بچا ماس نوچنے کا عمل اس سنہری دور میں شروع ہوا ہے جو دورِ بھکاریانہ کی عملی شکل ہے۔ وہ نام نہاد سیاست دان جن کا دعویٰ تھا کہ وہ غریب کے لیے جیتے ہیں انہوں نے عام آدمی کو معاشی قبر میں ڈال کر وحشیانہ رقص شروع کر دیا ہے شاید اسی کو رقصِ ابلیس کہا جاتا ہے۔

۞ بعض الفاظ اپنے اندر روح رکھتے ہیں لیکن جسم کی حیثیت سے بےمعنی ہوتے ہیں اور بعض الفاظ تجسیم سے بھرپور ہوتے ہیں لیکن روح سے خالی ہوتے ہیں ایسے ہی کچھ انسان بھی ہوتے ہیں جن کی روح کی موت جسم کی قبر میں پتہ نہیں کب کی ہوچکی ہوتی ہے لیکن جسم کا جنازہ تمام عمر اپنے کندھوں پر گھسیٹتے پھرتے ہیں اور کچھ لوگ جسم کی اذیت اس طرح برداشت کرتے ہیں کہ روح کے زخم شکست و ریخت کے باوجود ہونٹوں پر ہنسی لے آتے ہیں ایسے لوگ مر کر جینے کا ہنر جانتے ہیں۔ ان کو شکست صرف اس صورت میں ہوسکتی ہے جب یہ خود سے ہار جائیں ورنہ مسکراہٹ کا شہد دوسروں کی رگوں میں زہر بن کر اتارنے کا فن انہیں مطمئن رکھتا ہے۔

۞ دوستی کا پہلا زینہ خلوص کا وہ پیمانہ ہے جو دو افراد کو ایک دوسرے کے تعلق میں باندھ کر زندگی کے امتحان میں کھلا چھوڑ دیتا ہے۔ یہ خلوص خلوت اور جلوت میں حیا کا بھی ضامن ہوتا ہے اور شرم کی حقیقی تعریف پر بھی پورا اترتا ہے۔ دوستی نبھانے کا دعویٰ کرنا اتنا ہی آسان ہے جتنا زندگی کو سمجھنے کا دعویٰ کرنا۔ لیکن اس کو نبھانا اتنا ہی مشکل ہے جتنا زندگی کو گزار کر سمجھنے کا دعویٰ کرنا ہے۔ اسی لیے خلوص کا تعلق دوستی کے دوسرے زینے سے تب جڑتا ہے جب وفا اور نبھا کی بات آتی ہے اور یہاں سے ہی ایک دوست کی دوستی کا اصل امتحان شروع ہوجاتا ہے۔

۞ دوستی کا تیسرا زینہ وعدوں اور دعووں کو عمل کی بھٹی میں ڈال کر یا تو پختہ کر دیتا ہے یا پھر دوستی کا جھنڈا لگا کر نعرہ زن شخص کا اصل چہرہ عیاں کر دیتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پر بعض اوقات بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا بیٹھا دانت نکوستا نظر آتا ہے اور بعض اوقات شیر کے سائے میں گیدڑ کا عکس بھی دکھائی دے جاتا ہے۔ دوستی کا یہ زینہ اصلیت اور حقیقت کا وہ پردہ ہے جو روح کی پاکیزگی سے خباثت کی درندگی تک کا سفر لمحوں میں طے کروا دیتا ہے۔ اور اسی عمل سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ زبان کبھی بھی دل کی درست نمائندگی نہیں کر سکتی۔

۞ اقتدار اور طاقت ہضم نہ ہونے کی صورت میں ''خطرات'' میں اضافہ ہوتا ہے۔ اپنی زندگی کو آسان بنائیں اور ایک ''با مقصد'' اور ''با اخلاق'' زندگی گزاریں، لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کریں۔ ٹی وی ڈراموں نے جو بہت بڑی زیادتی ایک کردار کے ساتھ کی ہے وہ کردار بھائی کی بہن یعنی پھوپھی کا کردار ہے۔ ہماری سدا سے روایت اور تہذیب رہی ہے کہ بہن سے محبت بھائی کا اثاثہ ہوتی ہے بہن بھی بھائی کے بچوں سے والہانہ لگاؤ رکھتی

ہے۔عام گھروں میں پھوپھی ویسی ہی درویش طبع اور محبت سے گندھی ہوتی ہے جیسے ایک محبت کرنے والی ماں ہمیں اپنے گھر میں نظر آتی ہے لیکن نام نہاد جدت پسندوں اور چند پست ذہن لکھاریوں نے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے معاشرے کے انتہائی خوبصورت کردار کو نئی نسل کے لیے طعنہ بنا دیا ہے۔قابلِ نفرت بنا کر تضحیک کا حق دے دیا ہے۔جب تک معاشرتی سنسر بورڈ بیدار نہیں ہونگے تب تک رشتوں کی پامالی کا سلسلہ جاری رہے گا۔

✿ اسلام رواداری اور محبت کا درس دیتا ہے اسی لیے تو اس میں عالمگیریت پائی جاتی ہے۔غیر مسلموں سے حسنِ سلوک کا اظہار اور کسی کے غم میں شریک ہونے کا درس اس کا طرہ امتیاز ہے۔بعض افراد اس غم کے اظہار کو بھی کفر سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ اظہارِ افسوس کے الفاظ جنت کا ٹکٹ نہیں ہیں ہاں وہ مرنے والے کو دلاسہ ضرور دیتے ہیں کہ جانے والے کے دکھ میں ہم برابر کے شریک ہیں۔کسی کو جنت کی دعا نہ دیں لیکن اس کے جھکے ہوئے غمگین سر اور دکھے ہوئے دل کا بوجھ ضرور بانٹنے کی کوشش کریں کیونکہ دنیا میں ہر فرد اپنوں کی موت پر اسی رویے کی توقع کرتا ہے۔

✿ مائیکل جیکسن ہو،سوشانت سنگھ راجپوت ہو،نصرت فتح علی خان ہو یا سدو موسے والا ہوان کی موت پر افسوس کا اظہار انسانیت کے معیار سے جڑا ہوا ہے۔بلکل اسی طرح جیسے کسی بھی جگہ کوئی بھی فرد موت کا شکار ہو تو دکھ اور افسوس کا علامتی اظہار لازمی کیا جاتا ہے۔ایسے میں اگر ایک خاص طبقہ ان فنکاروں کی موت پر طعنوں معنوں پر اتر آئے تو سمجھ لیجیے معاشرہ انسانیت کا درس بھول چکا ہے۔معاشرتی ارتقاء ایسے افراد کی سوچ پر زوردار طمانچہ ہوتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ زمانہ ان کے مطابق چلے گا جبکہ زمانے کی رفتار کسی بھی سوچ کی پابند نہیں ہوتی۔

✿ بعض لوگ تعریف کروانے کے خبط میں مبتلا ہوتے ہیں ان کی تسکین کی ٹیوب تعریف کی ہوا سے پھولتی ہے اور جہاں کسی اور کا ذکر خیر بلند ہو وہاں ان کا سانس بند ہونا شروع ہو جاتا ہے۔تعریف اور تالی ہمیشہ وہ مزہ دیتی ہے جو بغیر کہے اور بیلوث لوگوں کے ہاتھوں سے ہو کر گزرے۔وہ تعریف کس کام کی جو وقتی جذبے کی تسکین کا سامان تو پیدا کردے لیکن عزت کا پرچم ہاتھوں سے چھین لے۔جس طرح تعریف کا طالب دردر کاسہِ خوشامد لیے پھرتا ہے اگر انسان شناس لوگ داد و تحسین حقدار تک پہنچا دیں تو ممکن ہی نہیں ایسا کاسہ کبھی جھوٹی تعریف سے بھر سکے۔

✿ حسنِ مجسم ہو یا متصور ہو رعنائی اور دلکشی کے باب میں اثر انگیزی وہ ہی رکھتا ہے جو ساحرانہ لباس پہن کر ساری دنیا کو بھلا دے۔حسن کبھی تو دیکھنے والے کی آنکھ سے ہوتا ہوا دل کے سنگھاسن پر براجمان ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی بدن کے نگینے دل کی دھڑکنوں کو ایک لمحے میں بیقرار کر کے آنکھوں کی پلکوں کو جھپکنے کا درس بھلا دیتے ہیں۔اور جب دل اور آنکھ دیدارِ یار کے شوق میں نیم بسمل ہو جائیں تو زمانے کے نقوش مٹ کر تصور کے نہاں خانوں میں حسنِ بلا خیز کی رنگینیوں میں ڈھل جاتے ہیں اور یہی سے حسنِ مجسم رخصت ہو کر حسنِ متصور کو آفاقیت عطا کرتا ہے۔

✿ ایسی بات جو دل میں آگ لگا دے جو وقتی اشتعال کا باعث بنے اس لیے بھی قابلِ عمل نہیں ہوتی کیونکہ کہ اس کے اثرات محدود ہوتے ہیں۔بات کی لذت اور ذائقہ وہ ہی باکمال ہوتا ہے جو زندگی کے پیمانے بدل کر رکھ دیتا ہے۔شاید اسی لیے کسی بھی سیاسی لیڈر یا دکھاوے کے مولوی کی بات چند لمحوں سے زیادہ اثرات مرتب نہیں کرتی۔لیکن وہ پر اثر لب و لہجہ اور محبت میں ڈوبا ہوا انداز ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں نقش رہتا ہے جو بات کے رنگ کو حقیقی رنگ میں ڈھال کر دلوں کو گرمانے کا تادیر ہنر جانتا ہو۔جذباتیت کا جملہ آگ لگانے کے لیے اور فکر کا جملہ زندگی سنوارنے کے لیے ہوتا ہے ورنہ بولنے کی کوشش تو گونگا بھی کرتا ہے۔

✿ ایک بچہ جس گھر میں پیدا ہوتا ہے تو اسی کے طور طریقے اپناتے ہوئے مذہب یا فرقہ کے در پر سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔جو اس کو سکھایا جاتا ہے اس کی دلیل عقیدت کی خوشبو سے اس قدر مسحور کن ہوتی ہے کہ وہ تمام عمر اسی باغیچے کے پھولوں میں منڈلانا چاہتا ہے مسئلہ تب درپیش ہوتا ہے جب کوئی دوست، رشتے دار یا واقف کار راتوں رات اس فرد کا مذہب یا فرقہ تبدیل کروانا چاہتے ہیں جبکہ عقلی اور شعوری طور پر یہ بات کس طرح تسلیم کی جا سکتی ہے کہ وہ فرد کسی کی نفرت، تشدد، لالچ، محبت یا دھونس سے دلی طور پر بدل جائے گا۔اگر کسی کو بدلنا ہے تو اخلاق اور کردار کا لباس پہن لیں۔دلیل کی کبھی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

****

صابر حسین نوائے جنگ لندن

غالب کے شعر پر بحث نے مندرجہ ذیل لطیفہ یاد دلا دیا:

راوی کہتا ہے ہمارے محلے میں ابوالحسن نبالی نامی ایک بزرگ فوت ہوگئے،عمر رسیدہ تھے،اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔خیر ساتھ والی مسجد میں ان کی نماز جنازہ اور پھر تدفین کے بعد تابوت واپس لایا گیا۔رات کا وقت تھا مسجد بند ہونے کے باعث تابوت کو مسجد کے دروازے کے سامنے رکھا گیا تا کہ صبح خادم اٹھا کر اسے اپنی جگہ رکھے گا.رات کوئی ساڑھے تین بجے کا ٹائم ہوگا کہ ایک شخص مسجد آیا۔مسجد کا دروازہ بند تھا، وہ شخص کچھ دیر انتظار کرتا رہا۔سردیوں کے دن تھے، اسے سردی لگ گئی۔اس نے تابوت کھولا اور اندر سوگیا۔آدھا گھنٹہ بعد خادم آ گیا۔خادم نے ایک نمازی کی مدد سے تابوت کو محراب کے ساتھ بنی مخصوص جگہ پر رکھ دیا۔نیند کی غنودگی کی وجہ سے انہیں تابوت کے وزن کا بھی اندازہ نہ ہوا۔مؤذن نے اذان دی۔لوگ نماز کے لیے پہنچے۔جماعت کھڑی ہوگئی۔ پچاس کے قریب نمازی جماعت میں شامل تھے۔میں پہلی صف میں کھڑا تھا اور دوسری رکعت تھی کہ سامنے تابوت پہ میری نظر پڑی۔عجب خوفناک منظر دیکھا کہ تابوت ہل رہا ہے۔میرے جسم میں سنسنی خیز ایک لہر دوڑ اٹھی۔میں نے آنکھیں بند کر لیں۔تابوت بدستور ہل رہا تھا۔شاید میت کا ہیولا کھڑا ہو۔اتنے میں وہ شخص اٹھا اس نے تابوت سے سر باہر نکال کر پوچھا ”تم لوگوں نے نماز پڑھ لی“؟ اللہ معاف کرے۔لوگوں کی دوڑیں لگ چکی تھیں۔میں تو الٹے پیر ہزار کی سپیڈ سے گھر کی طرف دوڑا۔گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ میں ننگے پیر ہی گھر پہنچا ہوں۔امام صاحب تو پہلے ہی بے ہوش ہوکر زمین پہ گر پڑے تھے، کچھ لوگ دوڑتے ہوئے دیواروں سے ٹکرانے کی وجہ سے گرے ہوئے تھے، کچھ میری طرح ننگے پیر باہر بھاگ رہے تھے، کچھ وضو خانوں کے پاس پھسل کر گر چکے تھے، سب اندھا دھند بھاگ رہے تھے، جو شخص تابوت میں تھا وہ پیچھے سے دوڑ رہا تھا۔

اور پوچھ رہا تھا اوئے مینوں وی تے دسو ہویا کی اے...

دو عورتیں قاضی ابن ابی لیلیٰ کی عدالت میں پہنچ گئیں، یہ اپنے زمانے کے مشہور ومعروف قاضی تھے۔قاضی نے پوچھا تم دونوں میں سے کس نے بات پہلے کرنی ہے؟ ان میں سے بڑھی عمر والی خاتون نے دوسری سے کہا تم اپنی بات قاضی صاحب کے آگے رکھو.وہ کہنے لگی قاضی صاحب یہ میری پھوپھی ہے میں اسے امی کہتی ہوں چونکہ میرے والد کے انتقال کے بعد اسی نے میری پرورش کی ہے یہاں تک کہ میں جوان ہوگئی.قاضی نے پوچھا اس کے بعد؟ وہ کہنے لگی پھر میرے چچا کے بیٹے نے منگنی کا پیغام بھیجا انہوں نے ان سے میری شادی کر دی، میری شادی کو کئی سال گزر گئے ازدواجی زندگی خوب گزر رہی تھی ایک دن میری یہ پھوپھی میرے گھر آئی اور میرے شوہر کو اپنی بیٹی سے دوسری شادی کی آفر کرلی ساتھ یہ شرط رکھ لی کہ پہلی بیوی (یعنی میں) کا معاملہ پھوپھی کے ہاتھ میں سونپ دے، میرے شوہر نے کنواری دوشیزہ سے شادی کے چکر میں شرط مان لی میرے شوہر کی دوسری شادی ہوئی سہاگ رات کو میری پھوپھی میرے پاس آئی اور مجھ سے کہا تمہارے شوہر کے ساتھ میں نے اپنی بیٹی بیاہ دی ہے تمہارا شوہر نے تمہارا معاملہ میرے ہاتھ سونپ دیا ہے میں تجھے تیرے شوہر کی وکالت کرتے ہوئے طلاق دیتی ہوں.جج صاحب میری طلاق ہوگئی.کچھ عرصے بعد میری پھوپھی کا شوہر سفر سے تھکے ہارے پہنچ گیا وہ ایک شاعر اور حسن پرست انسان تھے میں بن سنور کر اس کے آگے بیٹھ گئی اور ان سے کہا کیا آپ مجھ سے شادی کریں گے؟ اسکی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا اس نے فوری ہاں کرلی، میں نے ان کے سامنے شرط رکھ لی کہ آپ کی پہلی بیوی (یعنی میری پھوپھی) کا معاملہ میرے ہاتھ سونپ دیں اس نے ایسا ہی کیا میں نے پھوپھی کے شوہر سے شادی کرلی اور اس کے شوہر کی وکالت کرتے ہوئے اسے طلاق دے ڈالی.قاضی حیرت سے پھر وہ کہنے لگی قاضی صاحب کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی.کچھ عرصہ بعد میرے اس شاعر شوہر کا انتقال ہوا میری یہ پھوپھی وراثت کا مطالبہ کرتے پہنچ گئی میں نے ان سے کہا کہ میرے شوہر نے تمہیں اپنی زندگی میں طلاق دی تھی اب وراثت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے، جھگڑا طول پکڑا اس دوران میری عدت بھی گزر گئی ایک دن میری یہ پھوپھی اپنی بیٹی اور داماد (میرا سابقہ شوہر) کو لیکر میرے گھر آئی اور وراثت کے جھگڑے میں میرے اسی سابق شوہر کو ثالث بنایا اس نے مجھے کئی سالوں بعد دیکھا تھا مرد اپنی پہلی محبت نہیں بھولتا ہے چنانچہ مجھ سے یوں مل کر اس کی پہلی محبت نے انگڑائی لی میں نے ان سے کہا کیا پھر مجھ سے شادی کروگے؟ اس نے ہاں کرلی میں نے ان کے سامنے شرط رکھ لی کہ اپنی پہلی بیوی (میری پھوپھی کی بیٹی) کا معاملہ میرے ہاتھ میں دیں، اس نے ایسا ہی کیا۔میں نے اپنے سابق شوہر سے شادی کرلی اور اس کی بیوی کو شوہر کی وکالت کرتے ہوئے طلاق دے دی.قاضی ابن ابی لیلی سر پکڑ کر بیٹھ گئے پھر پوچھا کہ اس کیس میں اب مسئلہ کیا ہے؟ میری پھوپھی کہنے لگی: قاضی صاحب کیا یہ حرام نہیں کہ میں اور

میری بیٹی دونوں کی یہ لڑکی طلاق کروا چکی پھر میرا شوہر اور میری بیٹی کا شوہر بھی لے اڑی اسی پر بس نہیں دونوں شوہروں کی وراثت بھی اپنے نام کر لیا۔ قاضی ابن ابی لیلی کہنے لگے: مجھے تو اس کیس میں حرام کہیں نظر نہیں آیا، طلاق بھی جائز ہے، وکالت بھی جائز ہے طلاق کے بعد بیوی سابقہ شوہر کے پاس دوبارہ جاسکتی ہے بشرطیکہ درمیان میں کسی اور سے اس کی شادی ہو کر طلاق یا شوہر فوت ہوا ہو تمہاری کہانی میں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔

اس کے بعد قاضی نے خلیفہ منصور کو یہ واقعہ سنایا خلیفہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے اور کہا کہ جو کوئی اپنے بھائی کیلئے گڑھا کھودے گا خود اس گڑھے میں گرے گا یہ بڑھیا تو گڑھے کی بجائے گہرے سمندر میں گر گئی۔

(کتاب: جمع الجواہر فی الحُصری عربی سے ترجمہ بقلم فردوس جمال!!)

حکمران حاجی ہے اور عوام ماشی

حاجی صاحب مالش کرنے والے سے مالش کروا رہے تھے کہ اتنے میں ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: کیا حال ہے حاجی صاحب... آپ نظر نہیں آتے آج کل؟

حاجی صاحب نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی. وہ بندہ کہنے لگا:

حاجی صاحب... میں آپ کی سائیکل لے کے جا رہا ہوں

وہ سائیکل ماشی کی تھی... کافی دیر ہو گئی تو ماشی کہنے لگا:

حاجی صاحب... آپ کا دوست آیا نہیں ابھی تک واپس میری سائیکل لے کر؟

حاجی صاحب بولے: وہ میرا دوست نہیں تھا۔ ماشی بولا: مگر وہ تو آپ سے باتیں کر رہا تھا۔

'حاجی صاحب بولے: میں تو اس کو جانتا ہی نہیں ہوں. میں تو سمجھا تھا کہ وہ تمہارا دوست ہے۔ ماشی بولا: حاجی صاحب... میں غریب آدمی ہوں. میں تو لٹ گیا۔

حاجی حاحب بولے: اچھا تو رو مت۔ میں تجھے نئی سائیکل لے دیتا ہوں۔ تم سائیکل والی دوکان پر جا کے پسند کرلو ماشی نے ایک سائیکل پسند کی اور چکر لگا کے دیکھا۔ واپسی پر آ کر کہنے لگا کہ حاجی صاب یہ سائیکل ذرا ٹیڑھی چل رہی ہے حاجی نے کہا: ''جا یار نئی سائیکل ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ دکھاؤ میں چیک کرتا ہوں۔ حاجی صاحب سائیکل پر چکر لگانے گئے اور واپس آئے ہی نہیں. ماشی کو اس سائیکل کے پیسے بھی دینے پڑ گئے۔ آج ایسا ہی حال پاکستانی قوم کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ہر نیا آنے والا حکمران حاجی ہے اور عوام ماشی۔

(محمد نصر اللہ ندوی)

آہ!! گوپی چند نارنگ

اردو اداروں کا شہسوار رُخصت ہوا!

صفدر امام قادری شعبہ اردو، کالج آف کامرس، آرٹس اینڈ سائنس، پٹنہ

گذشتہ چار دہائیوں میں اردو زبان و ادب کے نام پر گوپی چند نارنگ ہندستان ہی نہیں پوری دنیا میں نمائندگی کرتے رہے۔ 91 برس کی عمر میں اب وہ ہمیشہ کے لیے کوچ کر گئے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اپنے صاحب زادے اور چند عزیز و اقارب کے بیچ ۱۵ جون ۲۰۲۲ء کو پروفیسر گوپی چند نارنگ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے۔ گذشتہ برسوں میں اُن کی صحت گرنے لگی تھی۔ حافظہ ویسا رواں دواں نہیں تھا جیسا پہلے رہا کرتا تھا۔ مجلسی زندگی میں بھی وہ وہیل چیئر سے لائے جاتے تھے اور طول طویل تقریروں کا سلسلہ تو برسوں سے بند تھا۔ مختصر تقریر اور چند باتیں کہہ کر وہ رُخصت ہو جاتے تھے۔ کئی برسوں سے ان کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ ہر سال ایک بڑا وقفہ وہ اپنے بیٹے کے پاس امریکا میں گزارتے تھے۔ جس طرح کووڈ۔ 19 نے ایک سلسلے سے ہمارے بڑے نقّادوں مثلاً شمس الرحمان فاروقی اور شمیم حنفی کو ہم سے جدا کیا، اُس کے بعد ہر شخص کی نظر اُن دونوں سے عمر میں چند برس بڑے نارنگ صاحب کی طرف جاتی تھی اور ہر کوئی وبا کے اِس دور میں اُن کی خیریت جاننے کے لیے کوشاں ہوتا تھا۔ وبا سے تو وہ محفوظ رہے مگر عمرِ طبعی اور گوشت پوشت کے ڈھانچے کو زوال آنا ہی تھا۔ آخر کار اپنے وطن اور اپنے میدانِ عمل سے بہت دُور سات سمندر پار گوپی چند نارگ ایسی خاموشی سے رُخصت ہو گئے۔ اردو تنقید کی موجودہ سب سے بڑی شخصیت کو کھو کر اردو کے ادیب، شاعر اور طالب علم سب اُداس ہیں۔

گوپی چند نارنگ نے ایک بھری پری زندگی گزاری۔ درس و تدریس اور شعر و ادب کے اقتدارِ عالیہ پر وہ چار دہائیوں سے زیادہ تک متمکن رہے۔ دہلی یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ سے وہ باضابطہ طور پر بہ حیثیت استاد متعلق رہے۔ ادب و تہذیب سے متعلق اداروں سے اُن کی ہمیشہ گہری دلچسپی رہی۔ اردو اکادمی، دہلی، قومی اردو کونسل دہلی اور ساہتیہ اکادمی کے وہ

سربراہ رہے۔مختلف یونیورسٹیوں میں وہ ویزٹنگ فیلو، وزٹنگ پروفیسر اور پروفیسر امیرٹس جیسے مناصب پر وہ وقفے وقفے سے آتے جاتے رہے۔ دنیا بھر کے ملکوں میں اردو زبان کے سفیر کی حیثیت سے آتے جاتے رہے۔ دنیا بھر کے لوگوں کو انھوں نے ہندستان میں بلایا۔ سے میناروں کے مضامین چھاپے اور اُنھیں کتابی شکل میں ترتیب دے کر شائع کیا۔تصنیفات و تالیفات کی طرف شروع سے رغبت رہی اور آج یہ بات مختلف ذرائع سے کہی جارہی ہے کہ اُنھوں نے کتابیں تصنیف کیں۔ ہندستان کے سِوِل اعزازات کی بات کہیں تو پدم شری سے لے کر پدم وبھوشن تک اُنھیں حاصل ہوئے۔ ہندستان ہی نہیں، پاکستان حکومت کی جانب سے دیے جانے والے ستارہء امتیاز کو حاصل کرنے میں بھی وہ کامیاب رہے۔ کہنا چاہیے کہ ایک بھری پری زندگی اُنھوں نے گزاری۔ اُنھوں نے جتنا چاہا، اتنا اُنھیں قبولِ عام کا درجہ ملا۔ایسے میں اِس بات کا یقین ہے کہ نارنگ صاحب بہ وقتِ رُخصت مطمئن اور خوش رہے ہوں گے اور شاید ہی اُنھیں کسی بات کا ملال ہو کہ وہ اُنھیں حاصل نہیں ہوا۔ایسی شانت اور آرام کی موت کم لوگوں کے حصّے میں آتی ہے۔

مختلف کالجوں کی ملازمت کے بعد گوپی چند نارنگ جب دلّی یونیورسٹی میں خواجہ احمد فاروقی کے رفیقِ کار کی حیثیت سے آئے تو اُس کے بعد انھوں نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ دلّی یونی ورسٹی میں کرسیِ صدارت نہیں مل سکتی تھی تو جامعہ ملیہ اسلامیہ میں نئی ملازمت کے ساتھ سربراہی کرنے کے لیے تشریف لے آئے۔ اردو فکشن پر وہیں ایک یادگار عالمی سے می نار کرا کر منتظم کی حیثیت سے اُنھوں نے اپنی پہچان قایم کی۔ چھوٹے بڑے ہر ادارے میں اِسی انتظام کار ہونے کی وجہ سے وہ داخل ہوتے رہے اور اُس کے فیضان سے خود اور دوسروں کو فیضیاب کرتے رہے۔ مالک رام جب ساہتیہ اکادمی کی اردو کمیٹی کے کنوینر ہوتے تھے، اُسی زمانے میں نارنگ صاحب کا ساہتیہ اکادمی میں داخلہ ہوا۔ دس برسوں تک وہ اردو کے کنوینر رہے۔ پانچ برس ساہتیہ اکادمی کے وائس چیئرمین، اور پانچ برس چیئرمین رہے۔ چیئرمین کا انتخاب تو اُنھوں نے بنگالی زبان کی ممتاز مصنفہ مہاشویتا دیوی کو شکست دے کر حاصل کی۔ گذشتہ تیس برسوں میں اردو زبان میں نارنگ صاحب کی حیثیت یہ رہی کہ وہ جس کی طرف نگاہِ التفات کرلیں، اُسے اردو کا ساہتیہ اکادمی ایوارڈ مل جائے گا۔ اِس کے لیے نہ کتاب کی اہمیت شرط تھی اور نہ ہی مصنّف کی صفِ اوّل میں شمولیت کی کوئی شرط تھی۔ مطلب یہ کہ نارنگ صاحب نے جسے چاہا اُسے ساہتیہ اکادمی ایوارڈ بخش دیا۔ اِس کا یہ بھی مطلب ہے جن جن لوگوں کو اُنھوں نے نہیں چاہا، اُنھیں اردو کا ساہتیہ اکادمی ایوارڈ نہیں مل سکا۔

دو دہائیوں سے زیادہ عرصے سے دوحہ قطر سے ایک انعام دیا جاتا ہے جس کے ہندستان میں کنوینر گوپی چند نارنگ صاحب تھے۔ یہ انعام بھی کسی ایک ایسے شخص کو نہیں مل سکا جس سے عرفِ عام میں نارنگ صاحب سے نا پسندیدگی کا رشتہ رہا ہو۔ معیار کا تعین تو اِس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ اِس بار پاکستان کے نمائندہ مصنف کے طور پر ظفر اقبال کو چُنا گیا مگر اِس کے متوازی مدھیہ پردیش کے سیفی سرونجی کو انعام پیش کرنے کا فیصلہ ہوا۔ یہ چند مہینوں قبل کی بات ہے۔ اِس انعام سے بے اطمنانی پر سب نے نارنگ صاحب کی طرف نگاہ اُٹھائی تھی۔ یونی ورسٹیوں میں ملازمت، ساہتیہ اکادمی، این۔سی۔پی۔یو۔ایل وغیرہ کے ساتھ ساتھ انعامی کمیٹیوں کی جیوری کے ممبران سب نارنگ صاحب کی خواہش پر طے کیے جاتے رہے ہیں۔ کن لکھنے والوں کو حاشیے پر رکھنا ہے اور کن لوگوں کے لیے ترقی کے راستے ڈھونڈنے ہیں، یہ سب نارنگ صاحب کے فرمان سے ہی ہوتا رہا ہے۔

دلّی یونی ورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں وہ اردو کے استاد تھے۔ ابھی وہ نسل ہمارے بیچ موجود ہے جو اُس زمانے میں اِن دونوں یونی ورسٹیوں میں زیرِ تعلیم تھی۔ شاید ہی اُن میں سے دو، چار، پانچ لوگ بھی دس بیس موضوعات کی فہرست پیش کرسکیں، جنھیں پروفیسر گوپی چند نارنگ نے اُنھیں سبقاً پڑھایا ہو۔ سلسلے وار طریقے سے کوئی ایک پرچہ یا نصاب کا کوئی مکمّل حصّہ کسی بھی جماعت میں اُنھوں نے پڑھایا ہو تو اِس کے ثبوت آسانی سے فراہم نہیں ہو سکتے۔ اُن کی نگرانی میں کس اعلا پائے کی تحقیق ہوئی یا اِن یونی ورسٹیوں سے کن ہونہاروں کو اپنی تعلیم کی بدولت آسمانِ علم و ادب تک انھوں نے پہنچایا، یہ کسی حلقے سے بھی کبھی مشتہر نہیں ہوا۔ کئی یونی ورسٹیوں میں کئی کئی لاکھ ماہانہ کی اُجرت پر وہ مہمان استاد بنائے گئے۔ کچھ برس پہلے جب بیگ احساس حیدر آبادی یونی ورسٹی کے صدر شعبہء اردو تھے، وہاں بھی نارنگ صاحب وزٹنگ فیلو رہے۔ دو برسوں تک غالباً دو لاکھ روپے ماہانہ اُنھیں ملتے رہے مگر چوبیس

مہینوں میں اُن طلبا، تحقیق کاروں اور اساتذہ کی علمی ترقی کے لیے نارنگ صاحب نے کتنے لیکچر دیے، یہ تاریخ کے صفحات میں درج نہیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بیگ احساس صاحب کو ساہتیہ اکادمی کا ایوارڈ ضرور حاصل ہو گیا۔

نارنگ صاحب کی وفات کی جیسے خبر آئی، ویکیپیڈیا کے حوالے سے ہر طرف یہ اطلاع دی جانے لگی کہ اُن کے قلم سے (۶۵) کتابیں نکلی ہیں۔ تقریباً چودہ پندرہ برس ہوئے جب گوپی چند نارنگ کی کتابوں کی آفیشل فہرست دو درجن سے کم ہوتی تھی، مرحوم سکندر احمد نے ’پروفیسر گوپی چند نارنگ کی کتابوں کی حقیقی تعداد‘ عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں سے می نار کے مقالوں کی ترتیب، انتخابِ کلام کی ترتیب اور اُسی طرح کتابچوں کے ناموں کو منہا کر کے اُنھوں نے یہ ثابت کیا تھا کہ گوپی چند نارنگ کی اصل کتابیں صرف چھے (۶) ہیں۔ اُس زمانے میں فاروق ارگلی نے ’تماشائے اہلِ کرم‘ نام سے گوپی چند نارنگ کی شخصیت اور خدمات پر جو مجموعہء مضامین شایع کیا تھا، اُس میں وہ تحریر موجود ہے۔ مرحوم پروفیسر لُطف الرحمان نے اپنے اخبار ’اعتراف‘ میں بھی اُسے شایع کیا تھا۔ اُس کے بعد بہ عجلت نارنگ صاحب کی یک موضوعی کتابیں شایع ہونے لگیں۔ اب بھی اُن کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد بہ مشکل درجن سے بڑھتی ہے۔ ورنہ مختلف اداروں کی سربراہی کے دوران اُنھوں نے وہاں جو پروگرام کیے، اُن میں پیش کردہ مقالات کی اشاعت کے مرحلے میں خود کو انھوں نے ترتیب و تہذیب کا ذمہ دار بنا دیا۔ تنظیمی کاموں سے اُنھیں کم مہلت ملی جس کی وجہ سے شمس الرحمان فاروقی کی طرح یک سو ہو کر مختلف موضوعات پر بڑی کتابیں لکھنے کے لیے وہ مہلت نہ نکال سکے۔ اُن کی کتابوں کی فہرست میں ’املا نامہ‘ جیسی مختصر سی کتاب یا کتابچہ بھی شامل ہے جس کی پہلی اشاعت کے بعد لوگوں نے جب اعتراضات کیے تو ساری سفارشات واپس لے کر املا کے پرانے راستے پر ہی جانے کے لیے وہ مجبور ہوئے۔ مصنف کی حیثیت سے گوپی چند نارنگ کی جیسی شہرت اور مقبولیت رہی، اُس اعتبار سے اُن کی تصنیفات وقیع نہیں معلوم ہوتیں۔ اردو کا ایک بڑا طبقہ گوپی چند نارنگ کو اردو زبان کا عالمی سفیر کہتا ہے۔ وہ دنیا بھر میں گھومتے رہے اور جہاں بھی گئے، اردو کے ادیب اور نقّاد ہی کی حیثیت سے وہ اپنی بنیادی پہچان رکھتے تھے۔ اُن کی طلاقتِ لسانی کا بہت شہرہ رہا۔ اُن کی مقبولیت کے پیچھے اِس کا بڑا ہاتھ ہے۔ چھوٹی بڑی ہر محفل میں وہ رنگ جما لیتے تھے۔ شاید ہی کوئی ایسا ادیب اور شاعر ہو یا اردو کا ریسرچ اسکالر ہو جو گوپی چند نارنگ کی لذتِ تقریر کا شیدائی نہ ہو۔ کسی محفل میں گھنٹہ بھر بول لینا تو اُن کے لیے عام بات تھی مگر جن لوگوں نے کسی خاص موضوع پر اُن کی تقریر سُنی ہو، وہ اپنے ذہن پر زور ڈال کر یہ آسانی سے نہیں بتا سکتے کہ اُن کی تقریر کے خاص نکات کیا کیا تھے۔ تقریر کی مقبولیت الگ شَے ہے اور اُس کا مغز ایک دوسری بات ہے۔ ہم سب اردو کے عظیم نقّاد سے کسی موضوع کی دس باتیں سمجھنا چاہتے تھے مگر گل افشانیِ گفتار میں اِس کے لیے گنجائش ہی کہاں تھی۔ گذشتہ برس بھارتیہ گیان پیٹھ کے انعام کے مرحلے میں پروفیسر گوپی چند نارنگ کا نام سامنے آیا۔ ایک دہائی سے زیادہ کے دورانیے میں وہاں نارنگ صاحب کے کئی فیض یافتہ افراد بہ طورِ رُکن شامل تھے مگر وہاں اخبار اور رسائل کے تراشے اور اُن کے ثبوت فراہم کیے گئے کہ نارنگ صاحب کی مابعدِ جدیدیت کے حوالے سے جو کتابیں شایع ہوئی ہیں، وہ نقل در نقل اور ترجمہ در ترجمہ ہیں۔ اُنھیں طبع زاد کتاب کے لیے انعام نہیں دیا جا سکتا۔ گذشتہ دو دہائیوں سے زیادہ عرصے میں عمران شاہد بھنڈر اور کئی افراد نے نارنگ صاحب کی کتابوں میں دوسرے مصنفین سے کیا کچھ لیا ہوا ہے، اِس کے بار بار ثبوت فراہم کیے مگر نارنگ صاحب نے کبھی اِس الزام کی صفائی نہیں دی۔ اِس سے اُن کا علمی بُت بار بار ٹوٹا۔ کاش وہ اپنی زندگی میں اِن حقائق سے پردہ اُٹھا سکتے تھے۔ کاش یہ ممکن ہو جاتا۔ نارنگ بڑے نقّادوں کے دَور کی آخری نشانی تھے۔ آزادی کے بعد کے زمانے میں کلیم الدین احمد، آلِ احمد سرور اور احتشام حسین کا ایک مثلث ہوتا تھا۔ اُن کے بعد کے دَور میں شمس الرحمان فاروقی اور گوپی چند نارنگ ہمارے دَور کے سب سے بڑے تنقیدی بُت تھے۔ وارث علوی اور شمیم حنفی بھی اِس فہرست میں شامل ہو سکتے ہیں مگر تنقیدی اقتدار تو نارنگ اور فاروقی کے پاس ہی تھی۔ اِن کے جیتے جی اِن کے بعد کے معتبر نقّاد وہاب اشرفی اور ابوالکلام قاسمی بھی رُخصت ہو گئے۔ اردو کے تنقیدی منظر نامے میں قد آور شخصیات، بااثر اور بارُعب افراد اور محفلوں میں علمی وقار کے ساتھ اپنی جگہ بنا لینے والے نقّاد چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے۔ مضمون نگار کالج آف کامرس آرٹس اینڈ سائنس، پٹنہ میں شعبۂ اردو کے استاد ہیں۔

**

سعودی عرب کے کراؤن پرنس

شہزادہ محمد بن سلمان

العربیہ ٹی وی سے ایک انٹرویو میں سعودی عرب کے کراؤن پرنس شہزادہ محمد بن سلمان نے کہا ہے کہ ہمیں قانون سازی کرنے کے لیے احادیث کی بجائے قرآن پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔احادیث (حضرت محمد صلعم کے ارشادات) کو قانون سازی میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔انھوں نے کہا قرآن کی عصر حاضر کے مطابق تشریح ضروری ہے۔ انھوں نے کہا کہ ’’حدیث رسول صل اللہ علیہ وسلم‘‘ ماخذ دین نہیں ہے۔ اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ خبر واحد بلکہ خبر متواتر تک کو Source of Law نہیں بنایا جا سکتا۔ان کا کہنا ہے کہ قرآن سے صراحت کے ساتھ کسی باب میں حکم موجود ہو تو ہو یا سنت متواترہ ہو تو ٹھیک وگرنہ اجتہاد کے ذریعے معاملات طے کیے جائیں گے۔شہزادہ محمد بن سلمان کا یہ بیان وہابیت سے صریحاً انحراف ہے جس کا سعودی عرب اب تک پرچار کرتا آیا ہے۔انھوں نے کہا کہ اب کوئی سنگساری، کوڑے مارنا اور مرتد کو قتل کی سزا اور ہم جنسیت پر کوئی سزا نہیں ہوگی۔

یاد رہے کہ سعودی عرب میں محمد بن سلمان یا اس سے پہلے کے حکمرانوں کے دور میں کئی دانشور، لکھاری حکمرانوں پر تنقید کرنے کے جرم میں قتل کر دیے گئے تھے اور کئی ایک جیل کی سلاخوں کے پیچھے کئی سالوں سے سڑ رہے ہیں۔

محمد بن سلمان کے انٹرویو کے بعد شیخ الازہر نے ان کی حمایت کرتے ہوئے لکھا کہ فقہی آراء مقدس اور ناقابل ترمیم ہرگز نہیں ہیں، فقہی آراء کی تقدیس سے فکری جمود پیدا ہوتا ہے۔قدیم فقہی مسائل وفتاوی جات دراصل مخصوص دور میں فقہاء کے اجتہاد وتجدید کی کاوشیں ہی تو تھیں۔ 27 اپریل کو کراؤن پرنس محمد بن سلمان نے سعودی چینل العربیہ کو ایک طویل انٹرویو دیا جس میں انھوں نے سماجی اور معاشی اصلاحات پر مبنی ویژن 2030 کے فریم ورک کی تفصیلات بتائیں جس کا آغاز 2015 میں کیا گیا تھا۔

اس انٹرویو میں انھوں نے سعودی عرب میں جاری وہابی ازم کے برعکس نئے جدید اسلامی قانون کے نفاذ کی بات کی ہے۔انھوں نے کہا کہ تمام مسلمان فقہا اور دانشور قرآن اور سنت کی روشنی میں اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔لہٰذا میرا نہیں خیال کہ میں کوئی انوکھی بات کر رہا ہوں۔

سعودی عرب میں وہابیت کا آغاز اٹھارویں صدی میں ہوا جب محمد بن عبدالوہاب کی تعلیمات کو حکمرانوں نے استعمال کرنا شروع کیا اور پھر پٹرو ڈالرز کے ذریعے پوری دنیا میں ان تعلیمات کو پھیلایا۔ چند سال پہلے تک سعودی عرب میں ایسی بات کرنے کے متعلق کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

پرنس سلمان کا یہ بیان اسلامی تاریخ میں ایک ٹرننگ پوائنٹ ثابت ہوگا۔اور اس ایک بیان نے پوری دُنیا کی وہابیت کا گلا گھونٹ دیا ہے کیونکہ وہابیت کی اساس ہی قرآن و حدیث ہے۔ وہ کسی امام کے اجتہاد کو نہیں مانتے۔حنفی جو کہ امام ابوحنیفہ اور اُن کے شاگردوں کے اجتہاد پر مبنی ہے۔ اسی لیے مصر کے جامعہ الازہر والوں نے پرنس سلمان کی بات کی تائید کی ہے جو کہ خود ایک انوکھی بات ہے۔کیونکہ مصری جامعہ الازہر اور سعودی عرب ایسے ہی ہیں جیسے کیتھولک اور آرتھوڈوکس مسیحی...عام فہم انداز میں اتنا سمجھ لیں کہ پوری دنیا کے وہابی، سلفی شرعی مسائل کے معاملات میں مکہ کی طرف دیکھتے ہیں اور باقی فرقے جامعہ الازہر کی طرف۔

پرنس سلمان نے بہت بڑی بات کی ہے اگر کوئی عالم دین پاکستان میں ایسی بات کرتا تو شاید اب تک قتل ہو چکا ہوتا۔ اس نے صریحاً احادیث کی اہمیت سے نا صرف انکار کیا ہے بلکہ بخاری و مسلم کی صحت پر بھی سوال اُٹھایا ہے۔یہ اسلام کے اندر ریفارمیشن کا پہلا قدم ہے۔ عیسائیت میں ریفارمیشن کوئی چار سو سال پہلے ہوئی تھی۔کیونکہ عالم اسلام مغرب سے ویسے ہی دو تین سو سال پیچھے ہے سو اسلام کی باری اب آئی ہے۔مگر کیونکہ ذرائع ابلاغ اب بہت تیز ہیں، انٹرنیٹ، سوشل میڈیا، کیبل وغیرہ اس لئے شاید تبدیلی کا عمل تیز ہو۔

(بشکریہ ماہنامہ لاہور لندن)

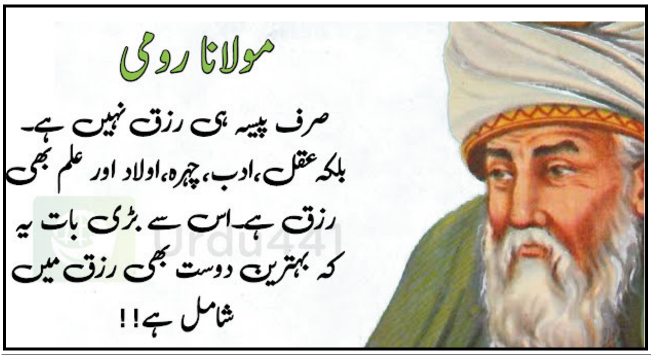

محترم وزیر اعظم!
میاں محمد شہباز شریف صاحب
کیا میری لاش کو پاکستان میں رہنے کی اجازت ہوگی؟

(پیشکش: چوہدری کولمبس خان) (بشکریہ ہم سب 29 مئی 2022)

اُمید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ میں اس خط کو السلام علیکم سے شروع کر کے نیک تمناؤں کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس نازک دور میں ہمارے پیارے پاکستان کے وزیر اعظم کو ہم سب کی نیک تمناؤں کی ضرورت ہے لیکن ایک انجانے خوف نے میرے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لے لیا کیونکہ یہ عاجز پاکستان کا شہری ہونے کے علاوہ عقیدہ کے اعتبار سے ایک احمدی بھی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں ہوں گے کہ پاکستان میں بہت سے احمدیوں پر صرف اس پاداش میں مقدمہ درج کیا گیا ہے کہ انہوں نے السلام علیکم کہہ کر یا لکھ کر اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا تھا۔ بہر حال یہ خط لکھنے کا مقصد احمدیوں کے متعلق قوانین کا شکوہ کرنا نہیں ہے اور نہ ہی اپنی زندگی کی ان ساٹھ سالوں کا رونا رونا ہے جو اس قسم کے خوفوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ سودا نے یہ کہہ کر سب شکووں کا دفتر لپیٹ دیا تھا:

جو گزری مجھ پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا
بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
کہے ہے سن کے مری سرگزشت وہ بے رحم
یہ کون ذکر ہے جانے بھی دو ہوا سو ہوا

اس خط کا مقصد تو صرف آپ سے ایک سادہ سا سوال پوچھنا ہے جو کہ خاکسار اس خط کے آخر میں پوچھنے کی جسارت کرے گا۔ شاید آپ کو خبر ملی ہو کہ دو ہفتہ قبل ضلع سرگودھا کے ایک گاؤں گھوگھیاٹ میں احمدیوں کی کچھ قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔ ان کی قبروں کے کتبے مسمار کئے گئے۔ پیغام واضح تھا کہ مر کر یہ نہ سمجھو کہ تم محفوظ ہو گئے ہو، اسلامی جمہوریہ پاکستان میں تمہاری لاشوں کو بھی یہ احساس دلایا جائے گا کہ تم احمدی ہو اور تمہاری قبر کو بھی وہ حقوق حاصل نہیں ہوں گے جو کہ مہذب دنیا میں کسی انسان کی لاش کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے چند روز بعد 17 مئی 2021 کو اوکاڑہ کے ایل پلاٹ میں ایک احمدی عبد السلام کو ان کے بچوں کے سامنے چاقو سے وار کر کے قتل کر دیا گیا۔ قتل کرنے والا حال ہی میں ایک قریبی مدرسہ سے فارغ التحصیل ہونے والا علی رضا تھا۔ جب علی رضا مدرسہ سے فارغ ہوا تھا تو مدرسہ کے استاد نے اپنی الوداعی تقریر میں احمدیوں کی سرکوبی کرنے کی نصیحت کی تھی۔ چنانچہ چند ہی روز میں علی رضا نے ایک احمدی کو بہیمانہ انداز میں قتل کر کے بزعم خود اپنے لئے جنت کا ٹکٹ حاصل کر لیا۔ پیغام واضح ہے کہ ہم تمہیں پاکستان میں جینے کا حق بھی نہیں دیں گے۔

ابھی عبد السلام صاحب کی لاش ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ 19 اور 20 مئی کی درمیانی رات کو پشاور کے قریب ایک گاؤں سانگو میں ایک احمدی اشفاق احمد صاحب ولد ڈاکٹر سرور کی قبر کو کھود کر اشفاق احمد کے جسد خاکی کے باقی ماندہ ٹکڑے باہر پھینک دیئے گئے۔ اشفاق احمد صاحب کا انتقال 1995 میں یوکرین میں ہوا تھا۔ ان کے ورثاء سے یہ غلطی ہوئی کہ وہ ان کے جنازے کو مادر وطن لے کر آئے اور یہاں دفن کر دیا تا کہ اشفاق احمد کا جسدِ خاکی اس خاک میں آرام کرے لیکن افسوس عزیز اہل وطن کو یہ بھی گوارا نہیں ہوا۔ پیغام واضح ہے کہ ہم تمہاری لاش کو بھی اس ملک کی زمین میں آرام سے نہیں رہنے دیں گے۔ یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ سے چل رہا ہے۔ 3 دسمبر 2012 کو ماڈل ٹاؤن لاہور میں احمدیوں کی قبرستان میں پندرہ کے قریب نقاب پوش حملہ آور داخل ہوئے اور ان میں سے کئی حملہ آوروں نے ہتھیار اٹھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہاں پر موجود افراد کو ایک کمرہ میں بند کیا اور سو سے زائد قبروں کے کتبے مسمار کر دیئے۔ یہ حملہ آور فون پر ہدایات بھی وصول کر رہے تھے کہ یہ کارنامہ کس طرح سرانجام دینا ہے۔ محترم وزیر اعظم اس وقت آپ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے اور یہ مقام آپ کے گھر سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔ شاید آپ کو یہ سانحہ یاد نہ ہو لیکن جن کے عزیزوں کی قبروں کی بے حرمتی کی گئی تھی، کم از کم وہ اسے ابھی تک نہیں بھولے۔

گذشتہ دو سال کے دوران پہلے سے زیادہ احمدیوں کی قبروں پر حملے کئے گئے ہیں۔ فروری 2020 میں فتح دریا جھنگ میں دو احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔ اور اسی مہینے کے دوران خود پولیس کے اہلکاروں نے چک 2 ٹی ڈے اے ضلع خوشاب میں احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی۔ مئی 2020 میں پچاس مولوی صاحبان اور کچھ پولیس اہلکاروں نے شوکت آباد ننکانہ صاحب میں احمدیوں کی قبروں کو مسمار کیا۔ جون 2020 میں چک 79 نواں کوٹ ضلع شیخوپورہ میں احمدیوں کی قبروں کے خلاف مہم چلائی گئی اور آخر

کارخود پولیس والوں نے احمدیوں کی درجنوں قبروں کے کتبوں کو مسمار کر دیا۔ اس سے اگلے ماہ ایک شکایت پر عمل کرتے ہوئے گوجرانوالہ کینٹ کے پولیس سٹیشن کے اہلکاروں نے ایک گاؤں کے احمدی قبرستان پر دھاوا بول کر 69 احمدیوں کی قبروں کو مسمار کیا۔ دسمبر 2020 میں پولیس سٹیشن کلر کہار کی حدود میں ایک گاؤں میں احمدیوں کے قبرستان میں تین قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔

2021 شروع ہوا تو تھانہ گوجرہ صدر ٹوبہ ٹیک سنگھ کی حدود میں احمدیوں کے ایک قبرستان میں داخل ہو کر خود ایس ایچ او، پٹواری اور تحصیلدار نے ایک احمدی کی قبر کا کتبہ مسمار کیا۔ اسی مہینے میں بھوئیوال ضلع شیخوپورہ میں تین احمدیوں کی قبروں کے کتبے توڑ دیئے گئے۔ یہ واقعہ تھانہ شرقپور کی حدود میں پیش آیا۔ فروری 2021 میں 565 گ ب جڑانوالہ ضلع فیصل آباد میں خود پولیس افسران نے 25 احمدیوں کی قبروں کو مسمار کروایا۔ مارچ میں پولیس نے ایک مرتبہ پھر ایک شکایت پر چابکدستی دکھاتے ہوئے کوٹ دیالداس ضلع ننکانہ میں 16 احمدیوں کی قبروں کو مسمار کیا۔

اسی طرح اپریل 2021 میں چک 604 ضلع مظفر گڑھ میں پولیس کے اہلکاروں نے ایک احمدی کی قبر کے کتبہ سے کچھ عبارتیں مٹائیں۔ یہ چند مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ عزیز از جان وطن میں اب دل کی دھڑکن رکنے کے بعد بھی احمدی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ ان کی قبریں بھی دل آزاری کا باعث بن جاتی ہیں۔ ان کی لاشوں اور ان کی قبروں سے بھی انتقام لیا جائے گا۔ اور خود حکومتی ادارے اس بربریت میں دل کھول کر اپنا حصہ ڈالیں گے۔ اور یہ تاریخ میں پہلی مرتبہ نہیں ہو رہا کہ مذہبی تعصب میں قبروں کو نشانہ بنایا جا رہا ہو۔ بربریت کی یہ تاریخ بار بار دہرائی گئی ہے۔ اور اگر اس سلسلہ کو جاری رہنے دیا جائے تو کسی کی بھی قبر محفوظ نہیں رہتی۔ مثال کے طور پر جب سپین میں پہلے مسلمانوں اور پھر یہودیوں کو نشانہ بنایا گیا تو قبریں بھی اس نام نہاد کی تطہیر کے عمل سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ 1580 میں Seville میں یہودیوں کی قبروں کو بھی اکھیڑ دیا گیا۔ اور ان میں موجود قیمتی اشیا کو لوٹا گیا۔ اور ایسے واقعات بار بار ہوئے۔ اس وقت کیتھولک چرچ قبروں کی اس بے حرمتی کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا لیکن 1936 میں اسی سپین میں خود کیتھولک چرچ اسی بربریت کا شکار بنا۔ سپین کی خانہ جنگی کے دوران بہت سے چرچوں میں قبرستانوں کو نشانہ بنایا گیا۔ اور ایسے بہت سے واقعات ہوئے۔ مثال کے طور پر بارسلونا میں 19 کیتھولک ننز کی لاشوں کو ان کی قبروں سے نکال کر کئی روز کے لئے باہر نمائش پر رکھ دیا گیا۔ اور ہزاروں لوگ ان کے سامنے سے گذر کر انہیں دیکھتے اور بعض تو ان لاشوں پر تحقیر آمیز جملے بھی کستے۔ اور آپ اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ پیرس کے قریب مسلمانوں کی قبروں کی بے حرمتی کے اندوہناک واقعات منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ہر صاحب ضمیر کو ایسے واقعات کی مذمت کرنی چاہیے۔

میں نے اس خط کے شروع میں عرض کی تھی کہ اس خط کے آخر میں آں مکرم سے ایک سادہ سا سوال کرنے کی جسارت کروں گا۔ خاکسار کو جیتے جی تو اس ملک میں برابر کے شہری بننے کا موقع نہیں ملا۔ نثار میں تیری گلیوں پر اے وطن... مگر مجھے یہ اعزاز نہیں ملا کہ وطن کی گلیاں مجھے قبول کرتیں لیکن اب میں عمر کے اس حصہ میں ہوں جب موت زیادہ دور نہیں ہوتی۔ مجھے اب اپنی زندگی سے زیادہ اپنی لاش کی فکر ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں میری لاش کو سکون سے دفن رہنے کی اجازت ہوگی؟ کیا مجھے یہ تسلی دلائی جا سکتی ہے کہ جب میں دفن ہو جاؤں گا تو کوئی پولیس کا اہلکار یا تحصیلدار میری قبر کو مسمار کرنے یا میرے کتبہ کو توڑنے کے فرائض سرانجام نہیں دے گا۔ یا کوئی جنت کے حصول کے لئے میری لاش کی باقیات کو اکھیڑ کر باہر نہیں پھینکے گا۔ اگر حکومت پاکستان یہ سہولت نہیں مہیا کر سکتی تو کوئی بات نہیں۔ میں اسے بھی قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر لوں گا اور اپنے ان بچوں کو جو ملک سے باہر رہائش پذیر ہیں یہ وصیت کر دوں گا کہ میری موت کی خبر سن کر خاموشی سے پاکستان آئیں اور میری لاش کو اسی خاموشی سے ملک سے باہر لے جائیں اور اس وقت کا انتظار کریں جب وطن کی خاک اس غریب الوطن لاش کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو۔ آدمی جیتے جی اپنے سے ہونے والے امتیازی سلوک کا بوجھ اُٹھا کر زندہ تو رہ سکتا ہے لیکن مرنے کے بعد اپنی لاش کو خود اپنے کندھوں پر اٹھا کر کہیں نہیں لے جا سکتا۔ محترم وزیر اعظم مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ میں جس طرح خط شروع کرتے ہوئے ایک الجھن کا شکار تھا، اسی طرح خط کو ختم کرتے ہوئے بھی ایک الجھن کا شکار ہوں کیونکہ میرے نام کا آخری حصہ ایسا ہے جس پر اسلام آباد ہوئی کورٹ ایک تفصیلی فیصلہ میں اس تحفظ کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ کسی احمدی کے نام کا حصہ ہونا چاہیے۔ شاید ان کے نزدیک یہ بھی قانون شکنی اور دل آزاری ہے۔ بہرحال اتنی جلدی نام تو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

***

ہم تمہیں پاکستان میں جینے کا حق بھی نہیں دیں گے

(چوہدری کولمبس خان)

ابھی عبدالسلام صاحب کی لاش ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ 19 اور 20 مئی کی درمیانی رات کو پشاور کے قریب ایک گاؤں سانگو میں ایک احمدی اشفاق احمد صاحب ولد ڈاکٹر سرور کی قبر کو کھود کر اشفاق احمد کے جسد خاکی کے باقی ماندہ ٹکڑے باہر پھینک دیئے گئے۔ اشفاق احمد صاحب کا انتقال 1995 میں یوکرین میں ہوا تھا۔ان کے ورثاء سے یہ غلطی ہوئی کہ وہ ان کے جنازے کو مادر وطن لے کر آئے اور یہاں دفن کر دیا تا کہ اشفاق احمد کا جسدِ خاکی اس خاک میں آرام کرے لیکن افسوس عزیز اہل وطن کو یہ بھی گوارا نہیں ہوا۔ پیغام واضح ہے کہ ہم تمہاری لاش کو بھی اس ملک کی زمین میں آرام سے نہیں رہنے دیں گے۔

یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ سے چل رہا ہے۔3 دسمبر 2012 کو ماڈل ٹاؤن لاہور میں احمدیوں کی قبرستان میں پندرہ کے قریب نقاب پوش حملہ آور داخل ہوئے اور ان میں سے کئی حملہ آوروں نے ہتھیار اٹھائے ہوئے تھے۔انہوں نے وہاں پر موجود افراد کو ایک کمرہ میں بند کیا اور سو سے زائد قبروں کے کتبے مسمار کر دیئے۔ یہ حملہ آور فون پر ہدایات بھی وصول کر رہے تھے کہ یہ کارنامہ کس طرح سرانجام دینا ہے۔محترم وزیر اعظم اس وقت آپ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے اور یہ مقام آپ کے گھر سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔شاید آپ کو یہ سانحہ یاد نہ ہو لیکن جن کے عزیزوں کی قبروں کی بے حرمتی کی گئی تھی، کم از کم وہ اسے ابھی تک نہیں بھولے۔

گذشتہ دو سال کے دوران پہلے سے زیادہ احمدیوں کی قبروں پر حملے کئے گئے ہیں۔فروری 2020 میں فتح دریا جھنگ میں دو احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔اور اسی مہینے کے دوران خود پولیس کے اہلکاروں نے چک 2 ٹی ڈے اے ضلع خوشاب میں احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی۔ مئی 2020 میں پچاس مولوی صاحبان اور کچھ پولیس اہلکاروں نے شوکت آباد ننکانہ صاحب میں احمدیوں کی قبروں کو مسمار کیا۔ جون 2020 میں چک 79 نواں کوٹ ضلع شیخو پورہ میں احمدیوں کی قبروں کے خلاف مہم چلائی گئی اور آخر کار خود پولیس والوں نے احمدیوں کی درجنوں قبروں کے کتبوں کو مسمار کر دیا۔اس سے اگلے ماہ ایک شکایت پر عمل کرتے ہوئے گوجرانوالہ کینٹ کے پولیس سٹیشن کے اہلکاروں نے ایک گاؤں کے احمدی قبرستان پر دھاوا بول کر 69 احمدیوں کی قبروں کو مسمار کیا۔ دسمبر 2020 میں پولیس سٹیشن کلر کہار کی حدود میں ایک گاؤں میں احمدیوں کے قبرستان میں تین قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔

2021 شروع ہوا تو تھانہ گوجرہ صدر ٹوبہ ٹیک سنگھ کی حدود میں احمدیوں کے ایک قبرستان میں داخل ہو کر خود ایس ایچ او، پٹواری اور تحصیلدار نے ایک احمدی کی قبر کا کتبہ مسمار کیا۔ اسی مہینے میں بھوئیوال ضلع شیخو پورہ میں تین احمدیوں کی قبروں کے کتبے توڑ دیئے گئے۔ یہ واقعہ تھانہ شرقپور کی حدود میں پیش آیا۔فروری 2021 میں 565 گ ب جڑانوالہ ضلع فیصل آباد میں خود پولیس افسران نے 25 احمدیوں کی قبروں کو مسمار کروایا۔مارچ میں پولیس نے ایک مرتبہ پھر ایک شکایت پر چابکدستی دکھاتے ہوئے کوٹ دیالداس ضلع ننکانہ میں 16 احمدیوں کی قبروں کو مسمار کیا۔

اسی طرح اپریل 2021 میں چک 604 ضلع مظفر گڑھ میں پولیس کے اہلکاروں نے ایک احمدی کی قبر کے کتبہ سے کچھ عبارتیں مٹائیں۔ یہ چند مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ عزیز از جان وطن میں اب دل کی دھڑکن رکنے کے بعد بھی احمدی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ ان کی قبریں بھی دل آزاری کا باعث بن جاتی ہیں۔ان کی لاشوں اور ان کی قبروں سے بھی انتقام لیا جائے گا۔اور خود حکومتی ادارے اس بربریت میں دل کھول کر اپنا حصہ ڈالیں گے۔اور یہ تاریخ میں پہلی مرتبہ نہیں ہو رہا کہ مذہبی تعصب میں قبروں کو نشانہ بنایا جا رہا ہو۔ بربریت کی یہ تاریخ بار بار دہرائی گئی ہے۔اور اگر اس سلسلہ کو جاری رہنے دیا جائے تو کسی کی بھی قبر محفوظ نہیں رہتی۔مثال کے طور پر جب سپین میں پہلے مسلمانوں اور پھر یہودیوں کو نشانہ بنایا گیا تو قبریں بھی اس نام نہاد کی تطہیر کے عمل سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ 1580 میں Seville میں یہودیوں کی قبروں کو بھی اکھیڑ دیا گیا۔ اور ان میں موجود قیمتی اشیا کو لوٹا گیا۔اور ایسے واقعات بار بار ہوئے۔اس وقت کیتھولک چرچ قبروں کی اس بے حرمتی کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔

لیکن 1936 میں اسی سپین میں خود کیتھولک چرچ اسی بربریت کا شکار بنا۔سپین کی خانہ جنگی کے دوران بہت سے چرچوں میں قبرستانوں کو نشانہ بنایا گیا۔اور ایسے بہت سے واقعات ہوئے۔مثال کے طور پر بارسلونا میں 19

کیتھولک نُنز کی لاشوں کو ان کی قبروں سے نکال کر کئی روز کے لئے باہر نمائش پر رکھ دیا گیا۔اور ہزاروں لوگ ان کے سامنے سے گذر کر انہیں دیکھتے اور بعض تو ان لاشوں پر تحقیر آمیز جملے بھی کستے۔اور آپ اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ پیرس کے قریب مسلمانوں کی قبروں کی بے حرمتی کے اندوہناک واقعات منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ہر صاحب ضمیر کو ایسے واقعات کی مذمت کرنی چاہیے۔

میں نے اس خط کے شروع میں عرض کی تھی کہ اس خط کے آخر میں آں مکرم سے ایک سادہ سا سوال کرنے کی جسارت کروں گا۔خاکسار کو جیتے جی تو اس ملک میں برابر کے شہری بننے کا موقع نہیں ملا۔نثار میں تیری گلیوں پر اے وطن..مگر مجھے یہ اعزاز نہیں ملا کہ وطن کی گلیاں مجھے قبول کرتیں لیکن اب میں عمر کے اس حصہ میں ہوں جب موت زیادہ دور نہیں ہوتی۔ مجھے اب اپنی زندگی سے زیادہ اپنی لاش کی فکر ہے۔میرا سوال یہ ہے کہ کیا اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں میری لاش کو سکون سے دفن رہنے کی اجازت ہوگی؟ کیا مجھے یہ تسلی دلائی جا سکتی ہے کہ جب میں دفن ہو جاؤں گا تو کوئی پولیس کا اہلکار یا تحصیلدار میری قبر کو مسمار کرنے یا میرے کتبہ کو توڑنے کے فرائض سرانجام نہیں دے گا۔یا کوئی جنت کے حصول کے لئے میری لاش کی باقیات کو اکھیڑ کر باہر نہیں پھینکے گا۔اگر حکومت پاکستان یہ سہولت نہیں مہیا کر سکتی تو کوئی بات نہیں۔میں اسے بھی قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر لوں گا اور اپنے ان بچوں کو جو ملک سے باہر رہائش پذیر ہیں یہ وصیت کر دوں گا کہ میری موت کی خبر سن کر خاموشی سے پاکستان آئیں اور میری لاش کو اسی خاموشی سے ملک سے باہر لے جائیں اور اس وقت کا انتظار کریں جب وطن کی خاک اس غریب الوطن لاش کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو۔آدمی جیتے جی اپنے سے ہونے والے امتیازی سلوک کا بوجھ اُٹھا کر زندہ تو رہ سکتا ہے لیکن مرنے کے بعد اپنی لاش کو خود اپنے کندھوں پر اٹھا کر کہیں نہیں لے جا سکتا۔محترم وزیر اعظم مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔میں جس طرح خط شروع کرتے ہوئے ایک اُلجھن کا شکار تھا،اسی طرح خط کو ختم کرتے ہوئے بھی ایک الجھن کا شکار ہوں کیونکہ میرے نام کا آخری حصہ ایسا ہے جس پر اسلام آباد ہوئی کورٹ ایک تفصیلی فیصلہ میں اس تحفظ کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ کسی احمدی کے نام کا حصہ ہونا چاہیے۔شاید ان کے نزدیک یہ بھی قانون شکنی اور دل آزاری ہے۔بہر حال اتنی جلدی نام تو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

معلومات اردو ادب

عاصی صحرائی

سوال: آورد۔جب شاعر ارادی طور پر فکر سخن میں بیٹھے اور شعر کہنے کے بعد اس کے لفظ و بیان اور ترتیب و تنظیم پر غور و غوض کرے اور بہتر پیرایہ میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔

سوال: ابتذال۔کلام میں غیر مہذب سوقیانہ اور بازاری الفاظ لانا یا ایسا کلام کہنا جس کا مضمون شائستگی سے بعید ابتذال کہلاتا ہے۔

سوال: استعارہ۔استعارہ علم بیان کی اصطلاح ہے جس کا معنی ادھار لینا ہے کسی شے کے لوازمات اور خصوصیت کو کسی دوسری شے سے منسوب کرنا۔

سوال: اشتراکیت۔شخصی ملکیت کے تصور اور اجتماعی ملکیت کا فلسفہ جس میں معاشرے کے افراد میں ملکی وسائل کی منصفانہ تقسیم واشتراکیت کہلاتا ہے۔

سوال: المیہ۔المیہ اس ڈرامے کو کہتے ہیں جس کو پڑھنے یا دیکھنے سے قاری یا ناظر میں رحم یا خوف دونوں جزبات پیدا ہوں یعنی وہ ڈرامہ جس کے واقعات میں حزنیہ فضا ہو اور وہ اپنے اختتام پر قاری یا ناظر کو حزیں افسردہ ہمدرد اور اندوہ گیر چھوڑ دے۔

سوال: انشا پرداز۔کسی نثر پارے میں دو چیزیں قابل توجہ ہوتی ہیں اول مواد دوم اسلوب اگر کسی نثر پارے کا اسلوب نہایت نرالا شاعرانہ اور متخیلہ کی کرشمہ سازی کا حامل ہے تو وہ نثر پارہ اپنے اسلوب کی بدولت زندہ رہتا ہے اردو میں رجب علی بیگ سرور محمد حسین آزاد ملا وجہی اور غالب ایسے صاحب طرز انشا پرداز ہیں جن کی نثر شاندار اسلوب کی بنا پر ہمیشہ سے مقبول ہے۔

سوال: ایجاز۔کسی موضوع کو کم سے کم ممکنہ حرفوں میں ادا کرنا ایجاز کہلاتا ہے۔

سوال: علم بدیع۔یہ شعری تنقید کی ایک اصطلاح ہے چنانچہ علم بدیع وہ علم ہے جس میں کلام کی خوبیوں سے بحث کی جاتی ہے۔

سوال: بحر۔یہ علم عروض کی اصطلاح ہے شعر جس وزن پر کہے جاتے ہیں اس کا اصطلاحی نام بحر ہے۔

سوال: بلاغت۔اس سے مراد پہنچنا اثر آفرینی اور کلام کا سریع الفہم ہونا ہے بلاغت ہر وہ ذریعہ ہے جس سے ہم اپنے معنی کو خوبصورت انداز میں فصاحت کے ساتھ سامع تک پہنچاتے ہیں اور سامع کے دل میں وہی اثر پیدا کرتے ہیں جیسا کہ ہمارے دل میں ہوتا ہے۔

سوال: تاثر۔ وہ جذباتی اثر جو قاری سامع یا ناظر کسی فن پارے کو پڑھ سن یا دیکھ کرفوری طور پر قبول کرتا ہے تاثر کہلاتا ہے۔

سوال: تجسیم۔ غیر مرئی حقائق جبلات یا عادات وغیرہ کو حرکی مادی جسم میں ڈھال کر پیش کرنا تجسیم کہلاتا ہے۔

سوال: تجنیس۔ یہ ایک صنعت شاعری ہے اس سے مراد ہم جنس ہونا اور ہم صوتیت ہے کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال کرنا جو تلفظ یا املا یا دونوں میں مشابہت رکھتے ہوں لیکن معنوں میں اختلاف ہو تجنیس کہلاتا ہے۔

سوال: تحریف۔ پیروڈی کا لفظ یونانی الاصل ہے اردو میں اس کے لیے تحریف کی اصطلاح رائج ہوئی کسی شاعر کے سنجیدہ کلام کو معمولی ردو بدل سے مضحکہ خیز بنا دینا یا کسی سنجیدہ کلام کی اس طرح نقل اتارنا کہ وہ مضحک بن جائے۔

سوال: تخلص۔ شاعر اپنے ذاتی اور خاندانی نام کے علاوہ جو نام شعرانہ شناخت کے طور پر اپناتا ہے اسے اصطلاحاً تخلص کہلاتا ہے۔

سوال: خطاب۔ جو بادشاہ یا سرکار سے اعزازی طور پر ملتا ہے جیسے علامہ الدولہ وغیرہ۔

سوال: لقب ایک وصفی نام جو کسی خصوصیت یا وصف کی وجہ سے پڑ گیا ہو جیسے مرزا نوشہ لقب ہے اسد اللہ خان غالب کا۔

سوال: ترفع۔ تنقید کی عظیم اور قدیم اصطلاح ہے جو دوسری صدی عیسوی سے رائج ہے ترفع کسی فن پارے کی وہ خوبی ہے جس کے باعث اس کا اسلوب عام سطح سے بلند ہو کر خاص امتیاز کا حامل ہو جاتا ہے۔

سوال: تصرف۔ یہ عمومی طور پر شعری اصطلاح ہے جس سے دخل دینا اختیار قبضہ وغیرہ مراد ہے کسی شاعر یا نثر نگار کے کلام میں کچھ ردو بدل کر کے ایک نئی معنوی کیفیت پیدا کرنا تصرف کہلاتا ہے

سوال: تصوّف۔ یہ روحانیت کی اصطلاح ہے فرد کے روحانی تجربے کو تصوف کہتے ہیں تصوف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ صاحب حال کے تجربے میں آتا ہے یہ فرد کی مکمل تنہائی کا تجربہ ہے جو نا قابل بیان ہے یعنی اس تجربے کا ابلاغ نہیں ہوسکتا کیونکہ ابلاغ عمرانی ہے۔

سوال: تضاد۔ یہ ایک شعری صنعت ہے جب کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوں صنعت تضاد کہلاتی ہے

سوال: تقریظ۔ کسی ادب پارے کے بارے میں تبصرہ کرنا عکاظ کے مقام پر ایک میلہ لگتا تھا جہاں ایک شعری نشست منعقد کی جاتی تھی صدر محفل کسی ایک قصیدے کو دوسرے پر برتری دے کر اس کی خوبیوں اور محاسن پر ایک بلیغ تقریر کرتا تھا اسے تقریظ کہتے تھے۔

سوال: تلمیح۔ تلمیح کی اصطلاح علم بدیع کے حصے میں آئی ہے کلام میں کوئی ایسا لفظ یا مرکب استعمال کرنا جو کسی تاریخی مذہبی یا معاشرے واقعے یا کہانی کی طرف اشارہ کرے تلمیح ہے۔

سوال: تنقید۔ کسی فن پارے کے محاسن کو معیاراتِ فن کے مطابق پرکھنا جانچ پڑتال کرنا اور اندرونی حاسہ جمال کی مدد سے اس کی قدر و قیمت کا تعین کرنا ''تنقید'' کہلاتا ہے۔

سوال: جزئیات نگاری۔ کسی واقعے یا امیج کو شاعری یا افسانے میں بیان کرتے وقت اس کے نہایت معمولی حصے کو بھی مدِ نظر رکھنا جزئیات نگاری کہا جاتا ہے۔

سوال: خارجیت۔ یہ تنقید شعر کی اصطلاح ہے جو خارجی واردات لوازمات اور متعلقات میں راہ کر شاعری کرے وہ خارجیت پسند ہوتا ہے خارجیت پسند شاعر زندگی کی بیرونی سطح دیکھتا ہے

سوال: مقفٰی نثر۔ ایسی نثری عبارت جس کے فقروں میں وزن نہ ہو لیکن قافیہ کا استعمال کیا گیا ہو۔

سوال: مسجع نثر۔ ایسی عبارت جس کے ایک فقرے کے الفاظ دوسرے فقرے کے الفاظ میں ہم وزن اور ہم قافیہ ہوں۔

سوال: صنعت حسن تعلیل۔ حسن تعلیل ایسی شعری صنف ہے جس میں شاعر کسی واقعے کی اصل منطقی جغرافیائی یا سائنسی وجہ نظر انداز کر کے ایک تخیلاتی جذباتی اور عین شاعرانہ وجہ بیان کرے۔

پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی
ساحل سے سر ٹپکتی تھیں موجیں فرات کی

سوال: راجائیت۔ ادبی اصطلاح کے طور پر آرزومندی زندگی سے محبت اور پر امید لہجہ اختیار کرنا۔

سوال: ریختی۔ ایسی نظم جو عورتوں کے بارے میں عورتوں کی طرف سے لکھی جائے۔

سوال: شہر آشوب۔ وہ نظم جس میں کسی ملک شہر یا معاشرے کے اقتصادی

سیاسی یا معاشرتی دیوالیہ پن مجلسی زندگی کے پہلوؤں کا نقشہ طنزیہ انداز میں پیش کیا جاے۔

سوال: واسوخت۔ ایسی نظم جس میں شاعر اپنے محبوب کی بیوفائی تغافل اور رقیب کے ساتھ اس کے تعلق کی شکایت کرتا ہے اور ساتھ ہی کسی اور محبوب کے ساتھ واسطہ ظاہر کر کے اسے دھمکاتا ہے۔

سوال: رمز وایمائیت۔ رمز وایمائیت سے مراد کسی پوشیدہ بات کو اشاروں میں بیان کرنا۔

سوال: تغزل۔ یہ ایک شعری اصطلاح ہے تغزل اس کیفیت کا نام ہے جو شاعری میں لطیف واثر اور حسن و درد پیدا کرتی ہے۔

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

سوال: سہل ممتنع۔ ایسا شعر جو اس قدر آسان لفظوں میں ادا ہو جائے کہ اس کے آگے مزید سلاست کی گنجائش باقی نہ رہے۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔

سوال: امیجری۔ کسی امیج کو زبان دینا شاعر یا ادیب الفاظ کے ذریعے سے وہ تصویریں پیش کرتا ہے جو تہ در تہ کیفیات کی شکل میں اس کے ذہنی تجربوں میں آتی ہیں اور خارجی دنیا میں اس کا وجود نہیں ہوتا۔

سوال: خمریات۔ یہ بنیادی طور پر شاعری کی اصطلاح ہے ایسی شاعری جس میں شراب اور متعلقات شراب کا بکثرت ذکر ہو اسے خمریات کہتے ہیں۔

سوال: داخلیت۔ ادب میں داخلیت سے مراد یہ ہے کہ شاعر اپنی قلبی واردات اپنے نجی جزبات و احساسات میں ہی اپنی تخلیقی زندگی گزارتا ہے۔

سوال: دبستان۔ جب بہت سے ادیب اور شعرا ایک مخصوص علاقے اور زمانے کی طرز بود و باش اور سماجی اقدار سے متاثر ہو کر ادب میں ایک ہی طرز فکر اور انداز نظر اپناتے ہیں تو اسے دبستان کہا جاتا ہے۔ جی دبستان لکھنؤ دبستان دہلی۔

سوال: رعایت لفظی۔ رعایت لفظی شاعری و نثری اصطلاح ہے لفظوں کی مناسبت سے ایک ایسی دلچسپ اور مضحکہ خیز صورت حال کو سطح پر لانا جو پہلے نظروں سے غائب تھی مثلاً اے بی اور بی اے میں تجنیسی ربط ہے۔

اطہر حفیظ فراز

دل میں آتا ہے کوئی نام میں تجھ سا لکھوں
کبھی سورج کبھی چندا کبھی تارا لکھوں
چشم حیراں کی میں وسعت کو بیاں ایسے کروں
کبھی ندیا کبھی درپن کبھی دریا لکھوں
تیری آواز تو حیرت میں لئے جاتی ہے
تیری آواز کو گرتا ہوا جھرنا لکھوں
میں تصور کو ترے، دل کا مسیحا لکھوں
تیری باتوں کو ہر اک غم کا مداوا لکھوں
تیرے چہرے سے کبھی چاند کو ہمرنگ کروں
تیری آنکھوں کو چمکتا سا ستارہ لکھوں
تجھ کو بانہوں میں جو بھر لوں تو کوئی بات بنے
پھر اسی حلقہ بازو کو میں ہالہ لکھوں
تیری چلنا بھی قیامت سے کوئی کم تو نہیں
یا میں ہرنی کی نزاکت کا حوالہ لکھوں
تیرے پہلو میں جو دھڑکے ہے اسے جان حیات!!
کبھی پتھر کبھی موتی کبھی شیشہ لکھوں
مست آنکھوں کو جو میخانہ و بادہ لکھوں
سرخ ہونٹوں سے میں پھولوں کا سراپا لکھوں
تیری قامت کو اے جاناں!! میں ہمالہ لکھوں
تیرے گالوں کو میں زہرہ کا تماشا لکھوں
تو جو آنکھوں سے پلائے تو میری جان غزل!!
خود کو صدیوں کا میں تپتا ہؤا صحرا لکھوں
تیری پلکیں, تیری مالا, تیرے گجرے, تیرا حسن
تیری مسکان کو جنت کا نظارہ لکھوں
میری تحریر سے اک شوخ سی صورت ابھرے
میرے ہمدم میرے دلبر تیرا سپنا لکھوں
تیری سانسیں میری سانسوں میں جو شامل ہوں گی
تو میں دھرتی تو میں امبر کو بھی ٹھہرا لکھوں
میں تو ناکام تقید تیری تمثیل کا ہوں
کوئی تجھ سا ہو تو اس ہی کو میں تجھ سا لکھوں
کفر و ایماں کے دوراہے پہ کھڑا ہوں میں فرازؔ!!
کبھی تجھ کو کبھی مولا کو میں یکتا لکھوں

ٹانگ کی اہمیت انسانی جسم میں

رانا عبدالرزاق خان

بڑھاپا ٹانگوں سے اوپر کی طرف شروع ہوتا ہے۔ اپنی ٹانگوں کو متحرک اور مضبوط رکھیں! جیسے جیسے ہم سالوں میں آگے بڑھتے ہیں، ہماری ٹانگیں ہمیشہ متحرک اور مضبوط رہیں۔ جیسا کہ ہم مسلسل بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں، ہمیں اپنے بالوں کے سرمئی ہونے (یا) جلد کے جھرنے (یا) جھریوں سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ لمبی عمر کی علامات میں، جیسا کہ یو ایس میگزین پریونشن نے خلاصہ کیا ہے، ٹانگوں کے مضبوط پٹھے سب سے اہم اور ضروری کے طور پر درج ہیں۔ اگر آپ دو ہفتے تک اپنی ٹانگیں نہیں ہلائیں گے تو آپ کی ٹانگوں کی طاقت 10 سال تک کم ہو جائے گی۔ ڈنمارک کی یونیورسٹی آف کوپن ہیگن کی ایک تحقیق سے پتا چلا ہے کہ بوڑھے اور جوان دونوں، دو ہفتوں کی غیر فعالیت کے دوران، ٹانگوں کے پٹھوں کی طاقت ایک تہائی تک کمزور ہو سکتی ہے، جو کہ 20-30 سال کی عمر کے برابر ہے۔

جیسے جیسے ہماری ٹانگوں کے پٹھے کمزور ہوتے جائیں گے، اسے ٹھیک ہونے میں کافی وقت لگے گا، چاہے ہم بعد میں بحالی اور ورزشیں کریں۔ اس لیے چہل قدمی جیسی باقاعدہ ورزش بہت ضروری ہے۔ جسم کا سارا وزن ٹانگوں پر ہوتا ہے۔ پاؤں ایک قسم کے ستون ہیں جو انسانی جسم کا سارا وزن اُٹھاتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انسان کی 50 فیصد ہڈیاں اور 50 فیصد پٹھے دونوں ٹانگوں میں ہوتے ہیں۔ انسانی جسم کے سب سے بڑے اور مضبوط جوڑ اور ہڈیاں بھی ٹانگوں میں ہوتی ہیں۔ مضبوط ہڈیاں، مضبوط پٹھے اور لچکدار جوڑ آئرن ٹرائی اینگل بناتے ہیں جو انسانی جسم کا سب سے اہم بوجھ اُٹھاتا ہے۔ انسان کی زندگی میں 70 فیصد سرگرمیاں اور توانائی کو جلانا دونوں پاؤں سے ہوتا ہے۔ کیا آپ یہ جانتے ہیں؟ جب ایک شخص جوان ہوتا ہے تو اس کی رانوں میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ 800 کلو وزنی گاڑی اُٹھا سکے!

ٹانگ جسم کی حرکت کا مرکز ہے۔ دونوں ٹانگوں میں انسانی جسم کے 50 فیصد اعصاب، 50 فیصد خون کی شریانیں اور 50٪ خون ان سے بہتا ہے۔ یہ سب سے بڑا گردشی نیٹ ورک ہے جو جسم کو جوڑتا ہے۔ جب ٹانگیں صحت مند ہوتی ہیں تو خون کا بہاؤ آسانی سے ہوتا ہے اس لیے جن لوگوں کی ٹانگوں کے پٹھے مضبوط ہوتے ہیں ان کا دل ضرور مضبوط ہوتا ہے۔ بڑھاپا پاؤں سے اوپر کی طرف شروع ہوتا ہے۔ جیسے جیسے کوئی شخص بڑا ہوتا جاتا ہے، دماغ اور ٹانگوں کے درمیان ہدایات کی ترسیل کی درستگی اور رفتار کم ہوتی جاتی ہے، اس کے برعکس جب کوئی شخص جوان ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ، نام نہاد بون فرٹیلائزر کیلشیم جلد یا بدیر وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہو جائے گا، جس سے بوڑھوں کو ہڈیوں کے ٹوٹنے کا زیادہ خطرہ ہوگا۔ بزرگوں میں ہڈیوں کا ٹوٹنا آسانی سے پیچیدگیوں کا ایک سلسلہ شروع کر سکتا ہے، خاص طور پر مہلک بیماریاں جیسے دماغی تھرومبوسس۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ عام طور پر 15٪ عمر رسیدہ مریض، ران کی ہڈی کے فریکچر کے ایک سال کے اندر مر جائیں گے؟ ٹانگوں کی ورزش، 60 سال کی عمر کے بعد بھی کبھی دیر نہیں لگتی۔ اگرچہ ہمارے پاؤں/ ٹانگیں وقت کے ساتھ آہستہ آہستہ بوڑھے ہوں گے، لیکن ہمارے پیروں/ ٹانگوں کی ورزش کرنا زندگی بھر کا کام ہے۔ صرف ٹانگوں کو مضبوط کرنے سے ہی کوئی شخص مزید بڑھاپے کو روک یا کم کر سکتا ہے۔ براہ کرم روزانہ کم از کم 30-40 منٹ چہل قدمی کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ آپ کی ٹانگوں کو کافی ورزش مل رہی ہے اور یہ یقینی بنانے کے لیے کہ آپ کی ٹانگوں کے پٹھے صحت مند رہیں۔ ***

خدمتِ خلق میں مصروف کشمیری شاعرہ عندلیب راٹھور کے نام

ہر غزل میں چاشنی بھر بھر کے لائیں ”عندلیب“
ہے صفِ اوّل میں یہ کشمیر کی ارفع ادیب
گیت میں دل کی محبت، زندگانی کا شعور
منزلوں کو ہے رواں اشعار کی رودِ بحور
ذہن کے انوار ہیں تاریکیوں کو کھا رہے
وادیٔ فن میں چمن انصاف کا مہکا رہے
فکر میں ڈوبے ہوئے ان کے سخن کے زاویے
ہے سکونِ قلب کے سامان انساں کے لئے
کر ہی دیں گی سیدھے آخر راستوں کے پیچ و خم
ظلمتوں میں تھام لیں گی شادمانی کا علَم
اے منوّر تازگی اشعار کی زندہ رہے
شاعری اجلی رہے اور حرف تابندہ رہے

عندلیب راٹھور کشمیر

ڈاکٹر منور احمد کنڈے۔ ٹیلفورڈ

نوپور شرما اور نوین جندل کا توہین آمیز بیان

ملک کے موجودہ مایوس کن حالات میں آج ایک امید افزا خبر آئی، بی جے پی نے بین الاقوامی دباؤ میں آ کر گستاخ رسول نوپور شرما اور نوین جندل کو پارٹی سے باہر کر دیا، ملک کے طول وعرض میں مسلسل نوپور شرما کے خلاف احتجاج کا سلسلہ جاری تھا، کئی جگہ کیس درج ہوا، کان پور میں جمعہ کی نماز کے بعد مسلمانوں کا غصہ پھوٹ پڑا، احتجاج کا یہ سلسلہ میں پوری دنیا میں پھیل گیا، کویت، بحرین، دبئی اور سعودی عرب سے سخت ردعمل سامنے آیا، عمان کے مفتی اعظم احمد خلیلی نے سخت تاثر کا اظہار کیا، کئی ملکوں میں ہندوستانی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا گیا، ہندوستانی کمپنیوں کے آڈر کینسل ہونے لگے، زبردست مالی خسارہ کو دیکھتے ہوئے کمپنی کے مالکان نے وزیر اعظم سے مداخلت کی اپیل کی، اور نتیجۃً بی جے پی کے پاس نوپور شرما کو برخاست کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا، ہر چند کہ اس نے یہ قدم مسلمانوں کو خوش کرنے کیلئے نہیں اٹھایا ہے، تاہم اس سے مسلمانوں کو ایک حوصلہ ضرور ملا ہے، اور مایوسی کی تاریکی میں امید کی ایک کرن نظر آئی ہے، حالیہ دنوں میں جس طرح مسلسل حوصلہ شکن بیانات سامنے آ رہے تھے، اور جس طرح ظلم سہنے کا پیغام دیا جا رہا تھا، اس سے شاید یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ، یہ سلسلہ اپنی ذات سے متعدی ہو کر، کہیں دین ومذہب تک نہ پہنچ جائے، اور مسلمان اپنے اوپر ظلم سہتے سہتے، اپنے مذہب اور دین کی توہین بھی گوارہ نہ کرلیں، مگر شکر ہے کہ ابھی ملت میں دینی حمیت اور غیرت باقی ہے، اور وہ اس دور میں بھی اپنے اوپر ظلم برداشت کر لیتی ہے، مگر نبی کی شان میں گستاخی کو برداشت نہیں کر سکتی، ایک سچا مسلمان ناموس رسالت کے تحفظ کیلئے اپنی جان، مال اور آبرو سب کچھ داؤ پر لگا سکتا ہے، یہ ایمان کا تقاضہ اور نبی سے محبت کا مطالبہ ہے، اگر یہ جذبہ سرد پڑ جائے تو دین وایمان سب مشکوک ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر ہمیں اپنے گریبان میں بھی جھانکنے کی ضرورت ہے، آج کا زرخرید غلام میڈیا جس طرح اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر آلود ڈبیٹ کراتا ہے، افسوس کہ ہمارے ہی درمیان سے کچھ میر جعفر اور صادق اس کی زینت بنتے ہیں، وہ خود بھی ذلیل ہوتے ہیں اور پوری ملت کی جگ ہنسائی کا سبب بنتے ہیں، ایسے ذلیل، مولوی نما جاہلوں کے خلاف سخت اقدام کی ضرورت ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ڈبیٹ میں جانا بند کریں اور چند کوڑیوں کے عوض اپنا ضمیر، ایمان اور دھرم بیچ کر جانیوالوں کا بائیکاٹ کریں اور پوری ملت کے سامنے ان کو بے نقاب کریں، اور آخری بات یہ کہ، محبت رسول کے جذبہ کے ساتھ، اطاعت رسول کا جذبہ بھی پیدا کریں، جو قوم دنیا میں اپنے نبی کے مشن اور ویژن سے دست بردار ہو جاتی ہے، ذلت ورسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے، اور جو قوم نبی کے نقش قدم کو حرز جاں بنا لیتی ہے، دنیا اس کی ٹھوکروں میں ہوتی ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح وقلم تیرے ہیں

پنڈت نہرو اور جوش ملیح آبادی

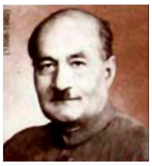

مبشر شہزاد گلاسگو

جی اور پنڈت نہرو نے بذات خود جوش صاحب سے ان کے گھر جا کہ درخواست کی تھی کہ وہ ہجرت کر کہ پاکستان نہ جائیں۔ یہ واقعہ شاید ان کی کتاب میں بھی موجود ہے۔ لیکن ہم کراچی میں خالق دینا ہال میں ہر ماہ ایک شام مقتدر شخصیتوں کے ساتھ مناتے تھے۔ حکیم سعید اسپانسر کرتے تھے۔ جوش صاحب کے ساتھ شام میں انھوں نے یہ واقعہ سنایا تھا۔ اسی زمانہ میں انکا لکھا ہوا ایک فلمی گانا ''ہوا سے موتی برس رہے ہیں'' ریڈیو پاکستان نے بجانا موقوف کر دیا تھا بوجہ۔ جوش صاحب بہت برہم تھے۔ نجم الدین کراچی ریڈیو کے موسیقی پروگرام کہ پروڈیوسر موجود تھے۔ ان سے پوچھا کیوں حضرت اس گانے کو بجانے پہ کیوں پابندی لگوا گئے ہیں۔ نجم صاحب سر! حیا سے پنڈا دھک رہا ہے' کی وجہ سے۔ جوش صاحب کو حکیم سعید اور یونس صاحب وغیرہ نے بڑی مشکل سے جانے سے روکا ورنہ وہ بگڑ کہ جانے لگے تھے۔ ہم 4th ایئر کہ طالبعلم تھے ادبی ذوق کم اور سموسوں اور پیٹیز اور ''مشروب'' کی لالچ میں ایسی تقریبات میں شریک ہوتے تھے۔

دوسروں کی ذلت پہ ہنسنا

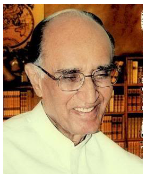

مشتاق احمد یوسفی

میں آفس میں آتے ہی ایک کپ چائے ضرور پیتا ہوں۔ اُس روز ابھی میں نے پہلا گھونٹ ہی بھرا تھا کہ اطلاع ملی: کوئی صاحب مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا: بھجوا دیجئے۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور شلوار قمیض پہنے' گریبان کے بٹن کھولے' گلے میں کافی سارا ٹیلکم پاؤڈر لگائے' ہاتھوں میں مختلف قسم کی مُندریاں اور کانوں میں رِنگ پہنے ہوئے ایک نیم کالے صاحب اندر داخل ہوئے۔ سلام لیا اور سامنے بیٹھ گئے۔ میں نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا' وہ نہایت اطمینان سے بولے''....میں بھی ایک مراثی ہوں''۔ میں بوکھلا گیا......کیا مطلب.؟؟؟'' وہ تھوڑا قریب ہوئے اور بولے مولا خوش رکھے...میں کافی دنوں سے آپ سے ملنا چاہ رہا تھا...سنا ہے آپ بھی میری طرح... میرا مطلب ہے' آپ بھی لوگوں کو ہنساتے ہیں؟''میں نے جلدی سے کہا ہاں... لیکن میں مراثی نہیں ہوں...!!!''

اچھی بات ہے'' وہ اطمینان سے بولے۔ میں نے بھی کبھی کسی کو اپنی حقیقت نہیں بتائی...!!!'' میرا خون کھول اٹھا عجیب آدمی ہو تم... تمہیں لگتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں؟ یہ دیکھو میرا شناختی کارڈ...ہم یوسفز ہیں!!!'' وہ کارڈ دیکھتے ہی چہکا...!!! مولا خوش رکھے...وہی بات نکلی ناں...!!!'' میرا دل چاہا کہ اچھل کر اُس کی گردن دبوچ لوں' لیکن کم بخت کا ڈیل ڈول اچھا تھا اس لیے میں نے خود کو قابو میں رکھا اور آنے کا مقصد پوچھا۔ اُس نے محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا' پھر ٹیبل پر آگے کو جھک کر بولا'' مجھے نوکری چاہیے''۔ میں پہلے چونکا' پھر غصے سے بھڑک اٹھا' یہ کوئی کمرشل تھیٹر کا دفتر نہیں ہے' تم نے کیسے سوچ لیا کہ یہاں مراثی بھرتی کیے جاتے ہیں؟'' وہ کچھ دیر مجھے گھورتا رہا' پھر اپنی مندری گھماتے ہوئے بولا یہاں نہ سہی' کسی دوسرے دفتر میں ہی کام دلوا دیں''۔ میں کوئی سخت جواب دینے ہی والا تھا کہ اچانک میرے ذہن میں ایک اچھوتا خیال آیا اور میں مسکرا اٹھا' آفس بوائے سے اُس کے لیے بھی چائے لانے کے لیے کہا اور خود اُٹھ کر اُس کے ساتھ والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ اُس کی آنکھوں میں اُلجھن سی اُتر آئی۔

میں نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا سنو! تمہیں بہت اچھی نوکری مل سکتی ہے' اگر تم مجھے ہنسا کے دکھا دو''۔ وہ ہونقوں کی طرح میرا منہ دیکھنے لگا۔ میں نے اُس کی حالت کا مزا اٹھاتے ہوئے اُسے زور سے ہلایا''ہیلو! ہوش کرو... بتاؤ' یہ چیلنج قبول ہے؟''۔ اُس نے کچھ دیر پھر مندری گھمائی اور نفی میں سر ہلا دیا۔ میں حیران رہ گیا' وہ مراثی ہونے کے باوجود مجھ جیسے اچھے خاصے معزز انسان سے ہار مان رہا تھا۔ میں نے وجہ پوچھی تو اُس نے عجیب سا جواب دیا میں نےلوگوں کو ہنسانا چھوڑ دیا ہے''۔ میں اچھل پڑا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟؟؟'' اُس نے لمبا سانس لیا اور بیزاری سے بولا''لوگ اب ہنسنا چھوڑ چکے ہیں''۔ میں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا'' یہ تمہاری غلط فہمی ہے...دنیا آج بھی ہنستی ہے' مزاحیہ تحریریں پڑھتی ہے' مزاحیہ ڈرامے دیکھتی ہے' جگتیں پسند کرتی ہے...''۔ اُس نے اپنی مندری نکال کر دوسری انگلی میں پہنی اور اپنی بڑھی ہوئی شیو پر خارش کرتے ہوئے بولا دنیا ہنستی نہیں' دوسروں کی ذلت پر خوش ہوتی ہے''۔ میں نے پھر قہقہہ لگایا وہ کیسے بھئی؟''۔ اُس نے قمیص کی سائیڈ والی جیب سے سستے والے سگریٹ کی مسلی ہوئی ڈبی. نکالی اور میری طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا' میں نے ایش ٹرے اُس کے سامنے رکھ دی۔ اُس نے شکریہ کہا اور سگریٹ سلگا کر گہرا کش لیا۔ میں اُس کے جواب کا منتظر تھا' تھوڑی دیر خاموشی رہی' پھر اُس کی آواز آئی۔ آپ کا منہ فلسطین کے لومڑ جیسا ہے...''۔ مجھے گویا ایک کرنٹ سا لگا اور میں کرسی سے پھسل گیا۔ میری رگ رگ میں طوفان بھر گیا۔ وہ میرے دفتر میں بیٹھ کر مجھے ہی لومڑ کہہ رہا تھا' بات تو سچ تھی مگر بات تھی رسوائی کی... میرا چہرہ سرخ ہو گیا' اس سے پہلے کہ میں اُس پر چائے کا گرم گرم کپ انڈیل دیتا' وہ جلدی سے بولا'' آپ کا ایک جگری دوست شہزاد ہے ناں؟'' میں پوری قوت سے چلایا''ہاں ہے...پھر؟؟؟''۔ وہ فوراً بولا اُس کی شکل بینکاک کے جمعدار جیسی ہے''۔ میں نے بوکھلا کر اُس کا یہ جملہ سنا...کچھ دیر غور کیا اور پھر... بے اختیار میری ہنسی چھوٹ گئی... میں ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گیا۔ تین چار منٹ تک آفس میں میرے قہقہے گونجتے رہے' بڑی مشکل سے میں نے خود پر قابو پایا اور دانت نکالتے ہوئے کہا شرم کرو...وہ میرا دوست ہے''۔ میری بات سنتے ہی مراثی نے پوری سنجیدگی سے کہا'' ایسی ہنسی آپ کو اپنے اوپر لگنے والی جگت پر کیوں نہیں آئی؟''۔ میں یکدم چونک اٹھا' ساری بات میری سمجھ میں آ گئی

تھی...!!! ہمارے معاشرے میں واقعی وہ چیز زیادہ ہنسی کا باعث بنتی ہے جس میں کسی دوسرے کی ذلت کا سامان ہو یہی وجہ ہے کہ سٹیج ڈراموں اور عام زندگی میں جب ہم کسی دوسرے کو ذلیل ہوتے دیکھتے ہیں تو ہمارے دل و دماغ فریش ہو جاتے ہیں۔کوئی بندہ چلتے ہوئے گر جائے' کسی کی گاڑی خراب ہو جائے' کسی کے پیچھے کتا دوڑ لگا دے' کسی کی بس نکل جائے اور وہ آوازیں لگا تا رہ جائے تو ہماری ہنسی نہیں رکتی' یہی عمل اگر ہمارے ساتھ ہو اور دوسرے ہنسیں تو ہم غصے سے بھر جاتے ہیں۔گویا ہنسنے کے لیے کسی کا ذلیل ہونا لازمی امر قرار پا چکا ہے۔یہی رویہ ہماری زندگی کے ہر پہلو میں در آیا ہےہمیں اپنے سُکھ سے اتنی راحت نہیں ملتی جتنے کسی کے دُکھ ہمیں سکون دیتے ہیں۔

یہاں جو انسان اچھی نوکری پر ہے وہ بڑی طمانیت سے مسکراتے ہوئے بے روزگار کو اٹھتے بیٹھتے اپنی کامیابیوں اور اُس کی ناکامیوں کی وجوہات بتاتا ہے چاہے بیروزگار اُس سے سوگنا زیادہ صلاحیتوں کا مالک ہی کیوں نہ ہو ہم وہ قوم بن چکے ہیں جو کسی بھوکے کو دیکھتے ہی اپنے لیے کھانا منگوا لیتی ہے۔ہم اپنی فیملی کے ساتھ گاڑی میں اے سی آن کر کے جا رہے ہوں تو ہمیں سڑک پر اپنے بیوی بچوں کا بوجھ اٹھائے سائیکل پر جاتا ہوا غریب آدمی بہت لطف دیتا ہے' ہمارے سامنے کسی کمزور کو مار پڑ رہی ہو تو ہم بڑی دلچسپی سے اُسے دیکھتے ہوئے مسکرانے لگتے ہیں' ہم اپنی کامیابیوں کو اپنا حق سمجھ کر انجوائے کرتے ہیں اور ناکام انسانوں کو محنت کرنے کے مشورے دیتے ہیں' جس کے پاس اپنا گھر ہے وہ کرائے کے گھر میں رہنے والے کی بے بسی کا مزا لیتے ہوئے اٹھتے بیٹھتے اُسے یہی نصیحت کرتا ہے کہ کچھ اپنا گھر بنانے کا بھی سوچو' حالانکہ جو انسان کرائے پر رہتا ہو اُس سے زیادہ اپنا گھر بنانے کی خواہش بھلا کون کر سکتا ہے؟؟؟ *کبھی غور کیجئے گا* کسی کی گاڑی یا موٹر سائیکل نہر میں جا گرے تو نکالنے والے کم اور انجوائے کرنے والے زیادہ جمع ہو جاتے ہیں۔لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اذیت میں ہم ہوتے ہیں اور مسکرانے کے لیے پورا زمانہ...!!! ہم میں سے ہر شخص کی مجبوریاں اور ذلتیں دوسروں کو ہنسانے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہیں' ہم سب بیک وقت تماشا بھی ہیں' تماشا گر بھی اور تماشائی بھی...!!!

منطق الطیر

انبیاء کرام اور اولیائے عظام کے زمانوں میں ان کے دشمن کافر ہوتے تھے جو انھیں زبانی وجسمانی تکالیف اور ایذا پہنچایا کرتے تھے. یہ دکھ اور تکالیف ایسی ہوتی تھیں جو جسم و دماغ پر تشدّد کر کے مومنین کو معذور و مفلوج کر دیتی تھیں بلکہ اللہ کے بیشمار بندے ان دکھوں اور تشدّد کی تاب نہ لاتے ہوئے جان سے چلے جاتے تھے.لیکن آجکل آپ کے اپنے لوگ آپ کو دماغی صدمات پہنچا کر، آپ کے ساتھ بُرے سلوک اور متشدّد درویّوں سے دُکھ پہنچاتے ہیں.آپ کو آپ کے اپنے لوگ ہی اتنا دُکھ دیتے ہیں کہ آپ ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں،جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپ کا دماغ پے درپے چوٹیں کھانے اور صدمات اٹھانے کے بعد بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ بیماریاں پھر آپ کے جسم میں منتقل ہو جاتی ہیں.جسم کی بیشمار بیماریاں ٹینشن اور ڈپریشن کی برکت سے ہی جنم لیتی ہیں.لہٰذا آپ کے دشمن کافر نہیں بلکہ آپ کے اپنے ہی لوگ ہیں، جو آپ کے سگے ہیں.ایک بیوی کا دُشمن اس کا خبیث الفطرت خاوند ہو سکتا ہے جو اسے ذہنی طور پر اتنا ٹارچر کرتا ہے،تنگ کرتا ہے اپنے بُرے رویے سے کہ وہ اللہ کی بندی شدید ڈپریشن کا شکار ہو کر ساری عمر کیلئے مختلف جسمانی ورحمی عوارض اور بیماریوں کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے.حالانکہ شوہر اسکا بڑا پکّا مومن،نمازی اور دوسروں کی نظر میں اللہ والا بنا پھرتا ہے۔

ایسے نیک اور بابرکت وجود کا کیا فائدہ جو اپنے گھر کے فرائض سے ہی غافل ہے،جس کے بیوی بچے اور سسرالی یا اسکے اپنے رشتہ دار ہی اسکے شر سے محفوظ نہیں.اسی طرح اگر خاوند شریف النفس اور بھلا مانس اور حقوق کی ادائیگی کرنے والا ہے تو اسے بیوی نہایت بدتمیز، بدزبان اور بدسلیقہ ملتی ہے جو اپنے تلخ رویّے سے شریف خاوند کو دکھ دیتے ہوئے اسے مختلف بیماریوں میں مبتلا کرنے کا سبب بنتی ہے.اسی طرح آپ کو دکھ دینے والے آپ کے سگے بہن بھائی بھی ہو سکتے ہیں جو اپنی بدسلوکی سے آپکو تکلیف دیں یا آپ کے حقوق غصب کر لیں اور آپکو آپکا حق ہی نہ دیں.ایک آدمی کو کسی چیرٹی میں چندہ دینے کی تحریک کی گئی تو اس نے پچاس ہزار روپے چندہ دیا اور چندہ وصول کرنے والے مولویوں نے بھی اسے بہت شاباش دی،مگر حقیقت یہ ہے

کہ چندہ دینے والا آدمی اپنی بہن کی ایک ایکڑ زمین دبائے بیٹھا ہے اور اس زمین سے ہونے والی آمد بھی بہن کو نہیں دے رہا۔اس طرح کی بیشمار مثالیں ہیں کہ جن میں بیشمار نیک و متقی بننے کے دعویدار اندر کھاتے اپنے ہی سگے لوگوں کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ایک عورت دینی جماعت کی خاطر بڑے کام کرتی ہے،لیکن وہی بابرکت عورت نہ اپنے خاوند کے حقوق کا خیال رکھے گی اور نہ گھر کی ذمہ داری ادا کرے گی۔ایسے ہی کئی خاوند ہوتے ہیں جنکی اپنے گھر کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور بیوی بچے ان بابرکت وجودوں کی جان کو روتے رہتے ہیں۔اسی طرح آپکو دکھ دینے والے آپ کے ہمسائے بھی ہو سکتے جن کے شر سے آپ محفوظ نہیں۔آپکو دکھ دینے والے آپکی فیلڈ اور آپ کے محکمے اور آپکے شعبے کے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو آپکی ٹانگیں کھینچیں گے، جو آپکی غلط رپورٹ حکام بالا تک پہنچائیں گے۔حکام بالا سے مجھے ایک بات یاد آ گئی کہ ہمارا یہ بھی المیہ ہے کہ کئی چُھرے اور اُسترے قسم کے کمینی طبیعت کے لوگ افسران کے نام کو بہت استعمال کرتے ہیں اور ایسے لوگ افسرانِ بالا یا اپنے سے بالا ہستی کا حوالہ دے کر اور دھمکا کر ہمارا بالا نکالنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں یا اپنی مرضی مسلط کر کے خاموش کروا دیتے ہیں اور ہم ان پر یہی ظاہر کرتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے کے باوجود ہم بالکل لاعلم ہیں تاکہ وہ ہمیں لاعلم ہی سمجھیں اور اپنے زعم میں مطمئن ہو جائیں کہ ان کی ''ہوشیاری'' کارگر ہوئی...

ڈپلومیسی سے لیکر ڈرامے بازی تک کی سیاست کے خطرناک کرتب دکھاتے ہوئے ہمیں خدا کا بالکل خوف نہیں، ہم نظریاتی طور پر تو خدا کا وجود تسلیم کرتے ہیں لیکن عملی طور پر اس ہستی کے وجود کو بالکل تسلیم نہیں کرتے اور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ خدا سے زیادہ اپنی ہستی کو ثابت کرنے کی ناکام خواہش و کوشش میں مبتلا ہیں۔پھر بعض حکامِ بالا بھی ایسے بابرکت وجود ثابت ہوتے ہیں کہ ماتحت کو یا غریب آدمی کو تُن کے رکھتے ہیں۔

مجھے ایسے بدتمیز اور واہیات بابرکت وجودوں کا بہت تجربہ ہے اور یہ تجربہ صرف میرا ہی نہیں بلکہ آپ لوگ جو مضمون پڑھ رہے ہیں ان کو بھی یہ نیک تجربہ ضرور ہوا ہوگا۔میں ایک بہت بڑے افسر کے پاس اپنی بیٹی کی ایک چھوٹی سی گذارش لیکر اسکے دفتر گیا تو موصوف نہایت بدتمیزی اور بدتہذیبی سے پیش آئے، میں حیران تھا کہ اتنی بڑی شان و شوکت اور بڑے رُتبے کا آدمی اتنا بدتمیز کہ اسے اپنی زبان پر ہی کنٹرول نہیں اور نہ اسے کسی نے غریب کے ساتھ بولنے کی تمیز سکھائی ہے۔بہرحال میں اسکے رویے سے پریشان ہو کر دفتر سے باہر آ گیا۔پھر کچھ دنوں بعد مجھ غریب کو اپنی دوسری بیٹی کے سلسلے میں کسی کام سے اسی محکمے میں جانا پڑ گیا اور اس سے چھوٹے افسر سے ملا تو وہ کہنے لگا کہ اس کام کا فیصلہ تو بڑے افسر ہی کریں گے آپ ڈائیریکٹ ان سے ملیں۔میں چونکہ اس بڑے افسر کی بدتہذیبی دیکھ چکا تھا تو میں نے اس چھوٹے افسر سے کہا کہ میں پہلے ہی انکی بدتمیزی سے بڑا ڈسٹرب ہوں اسی لئے میں انکے سامنے نہیں جا سکتا۔اسے میری یہ بات نہایت بُری لگی اور مجھ سے نہایت سختی اور غصے سے بات کرنے لگا اور کہنے لگا کہ تم نے میرے افسر کو بدتمیز کہا لہٰذا تمہیں میرے سامنے مجھ سے معافی مانگنی پڑے گی، کیونکہ تم نے یہ بات کر کے مجھے دکھ دیا ہے۔میں نے اس سے کہا کہ میں نے آپکو افسر کی وہ سچویشن بتائی ہے جس کی تکلیف سے میں گذرا ہوں، میں نے آپ کو تو کچھ نہیں کہا لیکن وہ بندہ مجھے ہراساں کرنے لگا اور کہنے لگا تم اسوقت تک یہاں سے نہیں جا سکتے جب تک مجھ سے معافی نہیں مانگتے۔

اسکی آنکھوں کے غصے سے مجھے اتنی گھبراہٹ ہوئی کہ مجھے مجبوراً اس سے معافی مانگنی پڑی۔ایسے ہی بہت سارے اونچے مقام و مرتبے کے لوگوں کے واقعات اگر بیان کرنے لگ جاؤں تو ایک چھوٹی کتاب بن جائے۔بعض مُتقی افسران غریب کو خدا کی ہستی پر لیکچر دیتے ہوئے اپنے مسائل سے چھٹکارا پانے کیلئے خدا کی طرف رجوع کرنے کا کہتے ہیں،لیکن عجیب لطیفہ ہے کہ چونکہ وہ غریب آدمی ان افسران کی خدا رسیدگی اور خدا شناسی دیکھ چکا ہوتا ہے اور انکی ہیرا پھیریاں بھی ملاحظہ کر چکا ہوتا ہے اور جنھیں اپنے ماتحت سے بولنے کی بھی تمیز نہیں ہوتی تو وہ غریب آدمی عجیب شش و پنج میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ عبادالرحمان کی جو صفات اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں بیان فرمائی ہیں ان میں ایک عظیم الشان خوبی یہ ہے کہ رحمان خدا کے بندے زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں، وہ دوسروں کیلئے آسانیاں ہی مہیا کرتے ہیں اور دوسروں کیلئے مصیبت اور دکھ کا باعث نہیں بنتے لیکن یہ کیسے عبادالرحمن ہیں جن میں عاجزی کی بجائے تکبر کا سریا انکی گردنوں میں ہوتا ہے۔جو بندہ مجھے خدا شناسی کی ترغیب دے رہا ہے اور خود اسکا رویہ نہایت تکلیف دہ ہے اور وہ خدا بنا بیٹھا ہے، اگر اس افسر پر حقیقی خدا آشکار نہیں ہوا تو

میں تو بہت ہی غریب، حقیر، گنہگار اور کمزور انسان ہوں۔

یہ زندگی کے تلخ حقائق ہیں جو ہر شعبہ زندگی میں پیش آتے ہیں اور انھیں کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے دشمن کافر نہیں بلکہ آپ کے اپنے لوگ ہیں. اور اس دور میں کافروں سے زیادہ اپنے اندر کے شیطانوں کے مظالم سے آپکا سامنا ہے. لیکن اب یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ آپکو ظلم سہنے کا ثواب ہے یا ان کو ظلم کرنے کا ثواب ہے. کیونکہ دونوں ہی اپنے دعویٰ مسلمانی میں پکّے ہیں۔ اللہ دیاں اللہ ہی جانے کہ اس نے نیک لوگ اپنے غریب بندوں کو دُکھ دینے کیلئے کیوں مقرر فرمائے ہیں۔

ادبی لطائف

کسی نے مولانا شوکت علی سے پوچھا آپ کے بڑے بھائی کا تخلص گوہر ہے دوسرے بھائی کا جوہر ہے آپ کا کیا تخلص ہے؟ مولانا نے فوراً جواب دیا ۔'شوہر' اکبر الہ آبادی کو کسی نے خط لکھا اور آغاز میں انہیں قبلہ لکھ کر مخاطب کیا، اکبر نے جواب میں لکھا آپ نے مجھے قبلہ لکھا جو مسلمانوں کے لئے قابل احترام جگہ سمجھی جاتی ہے، مجھے سمجھ نہیں آتا آپ کو کیا لکھوں، میں یہی لکھ سکتا ہوں، وعلیکم السلام جامع مسجد پطرس بخاری ریڈیو اسٹیشن کے ڈائریکٹر تھے ایک مرتبہ مولانا ظفر علی خان صاحب کو تقریر کے لئے بلایا تقریر کی ریکارڈنگ کے بعد مولانا پطرس کے دفتر میں آ کر بیٹھ گئے۔ بات شروع کرنے کی غرض سے اچانک مولانا نے پوچھا۔ پطرس یہ تانپورے اور تنبورے میں کیا فرق ہوتا ہے۔ پطرس نے ایک لمحہ سوچا اور پھر بولے۔ مولانا آپ کی عمر کیا ہوگی؟ اس پر مولانا گڑبڑا گئے اور بولے۔ بھئی یہی کوئی پچھتر سال ہوگی۔ پطرس کہنے لگے۔ مولانا جب آپ نے پچھتر سال یہ فرق جانے بغیر گزار دیئے تو دو چار سال اور گزار لیجئے۔

ایک دفعہ جون ایلیا نے اپنے بارے میں لکھا کہ میں ناکام شاعر ہوں۔

اس پر مشفق خواجہ نے انہیں مشورہ دیا:

جون صاحب! اس قسم کے معاملات میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

یہاں اہلِ نظر آپ کی دس باتوں سے اختلاف کرنے کے باوجود، ایک آدھ بات سے اتفاق بھی کر سکتے ہیں۔ عید کی نماز کے بعد لیاقت علی خان کے جوتے نہیں مل رہے تھے سارے سیکرٹری ڈھونڈنے لگے ہوئے تھے۔ اتنے میں مزاحیہ رسالہ 'نمک دان' کے مجید لاہوری نے طنزاً پوچھا وزیر اعظم صاحب جوتے کہاں گئے۔۔؟؟ لیاقت علی خان صاحب نے فوراً کہا 'نمک دان پر پڑ گئے'

تاریخ میں کئی چہروں پر ایسا غلاف چڑھا رکھا ہے کہ اب انکی تعریف کرنی پڑتی ہے اور ان کا ماضی ہمیں بھولنا پڑتا ہے۔ ایسے کئی کردار صدارتی الیکشن 1965 کے ہیں جن پر اب کوئی بات بھی نہیں کرتا اور نہ ان کے بارے میں کچھ لکھا جاتا ہے۔ یہ پہلا الیکشن تھا جس میں بیوروکریسی اور اسٹیبلشمنٹ نے مل کر دھاندلی کی۔

1965 کے صدارتی الیکشن میں پہلی دھاندلی خود ایوب خان نے کی۔ پہلے الیکشن بالغ رائے دہی کی بنیاد پر کرانے کا اعلان کیا۔ یہ اعلان 9 اکتوبر 1964 کو ہوا مگر فاطمہ جناح کے امیدوار بننے کے بعد یہ اعلان انفرادی رائے ٹھہرا۔ اور ذمہ داری حبیب اللہ خان پر ڈالی گئی۔ یہ پہلی پری پول دھاندلی تھی۔ 1964 میں کابینہ اجلاس کے موقع پر وزراء نے خوشامد کی انتہا کی۔ حبیب خان نے فاطمہ جناح کو ایبڈو کرنے کی تجویز دی۔ وحید خان نے جو وزیر اطلاعات اور کنونشن لیگ کے جنرل سیکرٹری تھے تجویز دی۔ ایوب کو تاحیات صدر قرار دینے کی ترمیم کی جائے۔ بھٹو نے مس جناح کو بڑھیا ضدی کہا۔ یہ تجاویز مسترد ہوئیں۔

ایوب خان نے الیکشن تین طریقوں سے لڑنے کا فیصلہ کیا۔ پہلا مذہبی سطح پر، انچارج پیر آف دیول تھے جنھوں نے مس جناح کے خلاف فتوے دیئے۔ دوسری انتظامی سطح پر سرکاری ملازم ایوب کی مہم چلاتے رہے۔ تیسری عدالتی سطح پر مس جناح کے حامیوں پر جھوٹے مقدمات درج ہوئے اور عدالتوں سے انکے خلاف فیصلے لئے گئے۔

سندھ کے تمام جاگیردار گھرانے ایوب کیساتھ تھے بھٹو، جتوئی، محمد خان جونیجو، ٹھٹھہ کے شیرازی، خان گڑھ کے مہر، نواب شاہ کے سادات، بھرچونڈی، رانی پور، ہالا، کے پیر ایوب خان کیساتھی تھے۔ جی۔ایم۔سید، حیدرآباد کے تالپور برادران، بدین کے فاضل راہو مس جناح کے حامی تھے، یہی لوگ غدار تھے۔ پنجاب کے تمام سجادہ نشین سوائے پیر مکھڈ صفی الدین کو چھوڑ کر، باقی سب ایوب خان کے ساتھی تھے، سیال شریف کے پیروں نے فاطمہ جناح کے خلاف فتویٰ دیا۔ پیر آف دیول نے داتا دربار پر مراقبہ کیا اور کہا کہ داتا صاحب نے حکم دیا ہے کہ ایوب کو کامیاب کیا جائے ورنہ خدا پاکستان سے خفا ہو جائے گا۔ آلو مہار شریف کے صاحبزادہ فیض الحسن نے عورت کے حاکم ہونے کے خلاف فتویٰ جاری کیا، مولانا عبدالحامد بدایونی نے فاطمہ جناح کی نامزدگی کو

شریعت سے مذاق اور ناجائز قرار دیا۔ حامد سعید کاظمی کے والد احمد سعید نے ایوب کو ملت اسلامیہ کی آبرو قرار دیا، یہ لوگ دین کے خادم ہیں۔ لاہور کے میاں معراج الدین نے فاطمہ جناح کے خلاف جلسہ منعقد کیا جس سے مرکزی خطاب غفار پاشا وزیر بنیادی جمہوریت نے خطاب کیا معراج الدکن نے فاطمہ جناح پر اخلاقی بد دیانتی کا الزام لگایا موصوف یاسمین راشد کے سسر تھے۔ میانوالی کی ضلع کونسل نے فاطمہ جناح کے خلاف قرارداد منظور کی مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب نے ایوب خان کی حمایت کا اعلان کیا اور دعا بھی کی پیر آف زکوڑی نے فاطمہ جناح کی نامزدگی کو اسلام سے مذاق قرار دیکر عوامی لیگ سے استعفیٰ دیا اور ایوب کی حمایت کا اعلان کیا۔ سرحد میں ولی خان مس جناح کے ساتھ تھے یہ غدار تھے، کاش ایسے غدار پیدا ہوتے رہیں۔ بلوچستان میں مری سرداروں اور جعفر خان جمالی کو چھوڑ کر سب فاطمہ جناح کیخلاف تھے۔ قاضی محمد عیسیٰ، مسلم لیگ کا بڑا نام بھی فاطمہ جناح کے مخالف اور ایوب کے حامی تھے انہوں نے کوئٹہ میں ایوب کی مہم چلائی۔

حسن محمود نے پنجاب، سندھ کے روحانی خانوادوں کو ایوب کی حمایت پر راضی کی ۔ خطہ پوٹھوہار کے تمام بڑے گھرانے اور سیاسی لوگ ایوب خان کے ساتھ تھے۔

برنگیڈئر سلطان والد چودھری نثار، ملک اکرم دادا، امین اسلم، ملکان کھنڈا، کوٹ فتح خان، پنڈی گھیب، تلہ کنگ ایوب کے ساتھ تھے، سوائے چودھری امیر اور ملک نواب خان کے جو فدوی کے دادا تھے اور الیکشن کے دو دن بعد قتل ہوئے۔ شیخ مسعود صادق نے ایوب خان کیلئے وکلاء کی حمایت کا سلسلہ شروع کیا، کئی لوگوں نے انکی حمایت کی۔ پنڈی سے راجہ ظفر الحق بھی ان میں شامل تھے۔ اسکے علاوہ میاں اشرف گلزار بھی فاطمہ جناح کے مخالفین میں شامل تھے۔ صدارتی الیکشن 1965 کے دوران گورنر امیر محمد خان صرف چند لوگوں سے پریشان تھے۔۔ ان میں شوکت حیات، خواجہ صفدر والد خواجہ آصف، چودھری احسن، والد اعتزاز احسن، خواجہ رفیق والد سعد رفیق، کرنل عابد امام والد عابدہ حسین، علی احمد تالپور شامل تھے۔ یہ لوگ آخری وقت تک فاطمہ جناح کے ساتھ رہے۔ صدارتی الکشن کے دوران فاصمہ جناح پر پاکستان توڑنے کا الزام بھی لگا۔ یہ الزام زیڈ۔ اے۔ سلہری نے اپنی ایک رپورٹ میں لگایا، جس میں مس جناح کی بھارتی سفیر سے ملاقات کا حوالہ دیا گیا۔ اور یہ بیان کہ قائد تقسیم کے خلاف تھے، یہ اخبار ہر جلسے میں لہرایا گیا، ایوب اسکولہرا کر مس جناح کو غدار کہتے رہے۔

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

مسکرایئے اور مسکراہٹ تقسیم کیجیے

ایک گاؤں میں غریب نائی رہا کرتا تھا جو ایک درخت کے نیچے کرسی لگا کے لوگوں کی حجامت کرتا۔ مشکل سے گزر بسر ہو رہی تھی۔ اس کے پاس رہنے کو نہ گھر تھا۔ نہ بیوی تھی نہ بچے تھے۔ صرف ایک چادر اور ایک تکیہ اس کی ملکیت تھی۔ جب رات ہوتی تو وہ ایک بند سکول کے باہر چادر بچھاتا، تکیہ رکھتا اور سو جاتا۔ ایک دن صبح کے وقت گاؤں میں سیلاب آ گیا۔ اس کی آنکھ کھلی تو ہر طرف شور و غل تھا۔ وہ اٹھا اور سکول کے ساتھ بنی ٹینکی پر چڑھ گیا. چادر بچھائی، دیوار کے ساتھ تکیہ لگایا اور لیٹ کر لوگوں کو دیکھنے لگا۔ لوگ اپنا سامان، گھر کی قیمتی اشیا لے کر بھاگ رہے تھے. کوئی نقدی لے کر بھاگ رہا ہے، کوئی زیور کوئی بکریاں تو کوئی کچھ قیمتی اشیا لے کر بھاگ رہا ہے۔ اسی دوران ایک شخص بھاگتا آ رہا تھا اس نے سونے کے زیور پیسے اور کپڑے اٹھا رکھے تھے۔ جب وہ شخص اس نائی کے پاس سے گزرا اور اسے سکون سے لیٹے ہوئے دیکھا تو غصے سے بولا!

''اوئے ساڈی ہر چیز اجڑ گئی اے۔ ساڈی جان تے بنی اے، تے تو ایتھے سکون نال لما پیا ہویا ایں.. یہ سن کر نائی بولا! لالے اج ای تے غربت دی چس آئی اے۔ جب میں نے یہ کہانی سنی تو ہنس پڑا مگر پھر ایک خیال آیا کہ شاید روز محشر کا منظر بھی کچھ ایسا ہی ہوگا۔ جب تمام انسانوں سے حساب لیا جائے گا۔ ایک طرف غریبوں کا حساب ہو رہا ہو گا۔ دو وقت کی روٹی، کپڑا، حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ ایک طرف امیروں کا حساب ہو رہا ہوگا۔

پلازے، دکانیں، فیکٹریاں، گاڑیاں، بنگلے، سونا اور زیوارات ملازم، پیسہ، حلال حرام، عیش و آرام، زکوۃ، حقوق اللہ، حقوق العباد... اتنی چیزوں کا حساب کتاب دیتے ہوئے پسینے سے شرابور اور خوف سے تھر تھر کانپ رہے ہوں گے۔ تب شاید اسی نائی کی طرح غریب ان امیروں کو دیکھ رہے ہونگے ۔ چہرے پر ایک عجیب سا سکون اور شاید دل ہی دل میں کہہ رہے ہوں گے...!''اج ای تے غربت دی چس آئی اے۔

''اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ہر ہر نعمت کا شکر ادا کرنے کی اور اللہ کی رضا کے مطابق استعمال اور تقسیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

میاں بیوی

میاں بیوی کی (عجیب کہانی) تم اور میں کبھی بیوی اور شوہر تھے، پھر تم ماں بن گئیں اور میں باپ بن کے رہ گیا تم نے گھر کا نظام سنبھالا اور میں نے زریعہ معاش کا اور پھر تم گھر سنبھالنے والی ماں بن گئیں اور میں کمانے والا باپ بن کر رہ گیا۔۔۔بچوں کو چوٹ لگی تو تم نے گلے لگایا اور میں نے سمجھایا تم محبت کرنے والی ماں بن گئیں اور میں صرف سمجھانے والا باپ ہی رہ گیا۔۔بچوں نے غلطیاں کیں تم ان کی حمایت کر کے understanding mom بن گئیں اور میں نہ سمجھنے والا باپ بن کے رہ گیا۔۔۔بابا ناراض ہوں گے یہ کہہ کر تم اپنے بچوں کی best friend بن گئیں۔۔۔اور میں غصہ کرنے والا باپ بن کے رہ گیا۔۔۔تم سارا دن بچوں سے راز و نیاز کرتے ہوئے اپنا مستقبل محفوظ بناتے ہوئے بچوں کے ذہنوں میں گھر کرتی چلی گئیں۔۔۔اور میں فقط گھر کا مستقبل بنانے کے لیے اپنا آج برباد کرتا چلا گیا۔تمہارے آنسوؤں میں ماں کا پیار نظر آنے لگا اور میں بچوں کی انکھوں میں فقط بے رحم باپ بن کے رہ گیا۔۔۔تم چاند کی چاندنی بنتی چلی گئیں اور پتہ نہیں کب میں سورج کی طرح آگ اگلتا باپ بن کر رہ گیا۔۔۔تم ایک رحم دل اور شفیق ماں بنتی گئیں اور میں تم سب لوگوں کی زندگی کا بوجھ اٹھانے والا صرف ایک باپ بن کر رہ گیا۔ یہ ایک انتہائی تلخ معاشرتی تصویر ہے۔ بہت کم ایسی مائیں ملیں گی جو اپنے بچوں کے سامنے اُنکے باپ کا مقام بُلند کر کے رکھتی ہیں جو بچوں کو یہ بتاتی ہیں کہ کیسے اُنکا باپ اپنے آگے کا نوالہ اپنے بچوں کو کھلا کر خود بھوکا رہ جاتا ہے۔ کیسے ایک باپ سارا دن اپنے بچوں کے رزق کیلئے مارا مارا پھرتا ہے۔ اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کیلئے کیا کیا قربانیاں دیتا ہے اور کن کن تکالیف کا سامنا کرتا ہے۔ کسطرح اُنکو اُنکے پیروں پر کھڑا کرنے کیلئے اپنے آپ کو برباد کر لیتا ہے خود کو ختم کر لیتا ہے۔ تب کہیں جا کر اولاد کسی قابل بنتی ہے۔ مگر اولاد کو یہ بتانے اور سمجھانے والی مائیں اُنکو یہ نہیں بتا پاتیں۔ اسی لیئے اولاد اُس وقت تک اس بات کو سمجھ ہی نہیں پاتی جب تک وہ خود باپ نہ بن جائے اور تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

عبدالشکور کلیولینڈ

وہ آئنے سے کہے صاحبِ حیا ہوں میں
اور آئنہ یہ کہے دیکھ آئنہ ہوں میں
چراغ بجھ گیا لیکن وہ روشنی کا سفر
تمام عمر جسے دیکھتا رہا ہوں میں
بجا کہ رنگ تغزل ترے جمال میں ہے
مجھے بھی دیکھ محبت کا فلسفہ ہوں میں
سمندروں کی طرح ظرف ہے مرا پھر بھی
بدن پکار رہا ہے سراب سا ہوں میں
عجیب لمس تھا اس کے بدن کی خوشبو کا
وہ ایک لمحہ کہ تب سے گلاب سا ہوں میں
کمال ضبط ہے یہ انتہائے شوق ہے یہ
ہوا کے ہاتھ پہ ہوں پھر بھی جل رہا ہوں میں

انجم جاوید

وسعت آسماں نہیں معلوم
کھو گیا دل کہاں نہیں معلوم
کیسے کھولوں جہاں کی گتھی کو
مجھ کو رمز جہاں نہیں معلوم
کیسے نکلوں حصار اُلفت سے
راستہ ہے کہاں نہیں معلوم
مسکراہٹ تو ہے لبوں پہ مگر
ہے ہنسی یا فغاں نہیں معلوم
رکھ دیئے ہونٹ اس نے ہونٹوں پر
پھر ہوا کیا میاں نہیں معلوم
ایسا لگتا ہے تم مرے ہو مگر
ہے یقیں یا گماں نہیں معلوم
اک اداسی سی دل پہ طاری ہے
جائے گی کب خزاں نہیں معلوم
ہوں میں انجم حساب میں کمزور
مجھ کو سود و زیاں نہیں معلوم

Concept 2Print
DIGITAL LITHO
A Complete Design & Print Service
CONCEPT • DESIGN • PRINT • FINISH
• Business Cards • Letterheads • Compliment Slips
• Folders • NCR Pads • Brochures
• Booklets • Calendars • Posters
• Books • Flyers • Pull up Banners
• Wedding Cards • Greeting Cards • Invitation Cards
t:0203 603 7582 e:info@concept2print.co
e:info@concept2print.co.uk
106 High Street-Colliers Wood-London-SW19 2BT
WWW.concept2print.co.uk

H@T IT SERVICES
Hardware • Application • Technology

HAT IT Services is becoming an IT Solution provider in innovative Hardware and Software Solutions that enable businesses to transform into digital enterprises for the ultimate competitive advantage.

• Laptop Repairs
• Computer Repairs
• Virus / Malware Removal
• Data Recovery
• System Optimization
• Home / Office Networking
• Server Installation
• Infrastructure & Networking
• Web & Application Development
• Sales & Purchase
• CCTV Installation & Maintenance

T: 0203 524 7530
www.hatservices.com
106 High Street, Colliers Wood SW19 2BT

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

SAAMS FUNCTION HALL
Catering & Event Management

Services Available
- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking

We Take reservations Everyday

Catering to your requirments
Cell:07883 815195

Tel: 020 8640 0700

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

SHAHMASKEEN & Co.UK.Ltd

LETTING

SALE

& ALL TYPE OF
BUILDING WORKS

Contact:

S M Shah
+447888683496

Z A Hashmi
+447705982260

shahmaskeen01@gmail.com

SHARIF
JEWELLERS
SINCE 1952

22K GOLD & DIAMOND JEWELLERY
GIA / HRD CERTIFIED DIAMONDS

HUGE SALE

ENJOY UPTO
50% OFF
ON MAKING CHARGES
& NO MAKING ON SELECTED COLLECTIONS*

28 LONDON ROAD, MORDEN SM4 5BQ
+44 20 8075 5777
+44 7888 300 399

*Applicable taxes, terms & conditions apply. Please visit our store for details.

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دا براڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون:02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل:law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون:02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل:law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- یورپین قانون
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ویزا میں تبدیلی
- اوور سٹیئرز
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ورک پرمٹ
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- جوڈیشل ریویو
- ٹرائیبونل اپیل
- سٹوڈنٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)